اصطلاحات حدیث

بلغوا عنی ولو آیۃ

تالیف الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

ترجمہ پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

اصطلاحاتِ احادیث
بلغوی ولو آیۃ
www.kitabosunnat.com
تالیف
الشیخ محمد بن صالح العثیمین
ترجمہ
پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی
مکتبہ احمد بن حنبل
دار المصنفین
DAR-UL-MUSANNIFEEN

اہلِ قلم وکتاب کا اپنا ادارہ

2020ء

اصطلاحاتِ حدیث

تالیف ——— الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

ترجمہ ——— پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

پرنٹر اینڈ اشاعت

دارالمصنفین

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

G/F-6 بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0300-4262092
0308-6222418
0321-4697056
Facebook/Dar-ul-Musannifeen
darulmusannifeen@gmail.com

فہرست مضامین

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَن تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا. أَمَّا بَعْدُ:

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اور آپ ﷺ پر کتاب وحکمت نازل کی (کتاب سے مراد: قرآن جبکہ اور حکمت سے مراد سنت ہے) تاکہ آپ اسے لوگوں کے لیے بیان کردیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے، تاکہ وہ اس میں غور وفکر کریں ہدایت پائیں اور کامیاب ہوجائیں۔

سو کتاب وسنت دونوں وہ اصل ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حجت قائم کی ہے اور ان دونوں پر امر ونہی (ایجابی ومنفی) میں اعتقادی اور عملی احکام کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

قرآن سے استدلال کرنے والے کو صرف ایک ہی بات پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اس کے مسند ہونے کے لیے غور وفکر کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ لفظاً اور معناً تواتر کے ساتھ قطعی طور پر ثابت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ۝﴾ (الحجر: 9)

"بے شک ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

جبکہ سنت سے احتجاج/استدلال کرنے والے کے لیے دو امور کی بہت ضرورت ہے:

1. اس کے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے میں غور وفکر۔ اس لیے کہ ہر وہ چیز جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو، صحیح نہیں ہوتی۔
2. حکم پر نص کی دلالت میں نظر۔

حدیث میں تأمل ونظر کے لیے ایسے قوانین بنانے کی ضرورت پیش آئی جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب مقبول اور مردود روایت میں فرق ہو جائے۔ علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ فریضہ انجام دیا اور اس (فن) کا نام "مصطلح الحدیث" رکھا۔

اس سے شیخ رحمہ اللہ کی مراد جامعہ امام کا نصاب ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارے عمل کو خالص اپنی رضا کے لیے بنا دے، اپنی چاہت کے مطابق اور اپنے بندوں کے لیے نفع مند، بیشک وہ بہت سخی اور مہربان ہے۔

مصطلح الحدیث

(اس عنوان کے تحت امور پر بحث ہوگی):

ا: مصطلح الحدیث کا تعارف: ب: مصطلح الحدیث کا فائدہ

(ا) مصطلح الحدیث کی تعریف:

" عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ حَالُ الرَّاوِي وَالْمَرْوِي مِنْ حَيْثُ الْقُبُوْلِ وَالرَّدِّ . "

" (مصطلح الحدیث) وہ علم ہے جس میں راوی اور مروی کو قبول اور رد کے لحاظ سے جانا جاتا ہے۔"

(ب) مصطلح الحدیث کا فائدہ:

" مَعْرِفَةُ مَا يُقْبَلُ وَ مَا يُرَدُّ مِنَ الرَّاوِي وَالْمَرْوِي . "

"راوی اور مروی میں سے مقبول اور مردود کی معرفت۔"
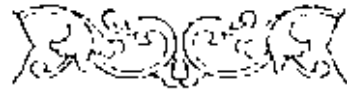
حدیث-خبر-اثر-حدیث قدسی

حدیث:

"مَا أُضِيفَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ أَوْ وَصْفٍ"

''نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب قول،فعل،تقریر یا وصف''حدیث'' کہلاتا ہے۔''

خبر:

"هُوَ بِمَعْنَى الْحَدِيْثِ"

''خبر حدیث کے ہم معنی ہے۔''

اسے سابق تعریف سے جانا جاسکتا ہے۔نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

''جو بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو یا کسی دوسرے کی طرف،خبر کہلاتی ہے۔''

اس معنی میں خبر حدیث سے زیادہ عام اور شامل ہوگی[اور حدیث کا معنی خاص ہوگا]۔

اثر:

"مَا أُضِيفَ إِلَى الصَّحَابِي رضی اللہ عنہ أَوِالتَّابِعِيِّ وَ قَدْ يُرَادُ بِهِ مَا أُضِيفَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مُقَيَّداً: وَفِي الأَثَرِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ."

''جو صحابی یا تابعی کی طرف منسوب ہو۔کبھی اس سے نبی کریم ﷺ کی طرف بھی منسوب احادیث بھی مراد لی جاتی ہیں۔'' مگر اس وقت قید لگائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے:''نبی کریم ﷺ سے ماثور ہے۔''

حدیث قدسی:

((مَا رَوَاهُ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ رَبِّهِ تَعَالَى وَيُسَمَّى أَيْضاً "اَلْحَدِيْثُ الرَّبَّانِيُّ وَاَلْحَدِيْثُ الإِلٰهِيُّ".))

''وہ ہے جسے نبی کریم ﷺ اپنے رب تعالیٰ سے روایت کریں، اسے حدیث

ربانی اور حدیثِ الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔"

اس کی مثال:...... رسول اللہ ﷺ کا فرمان جو آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں، بے شک (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا ہے:

((أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي ؛ وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي ، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي ، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ .)) ❶

"میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے میرے متعلق گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی مجلس میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہوتی ہے۔"

حدیث قدسی کا مرتبہ قرآن اور حدیث نبوی کے درمیان میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم لفظاً ومعناً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور حدیث نبوی لفظاً ومعنیً نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کی جاتی ہے ❷۔ جب کہ حدیث قدسی میں معنی ومفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؛ لفظ نہیں۔ اس لیے حدیث قدسی کی تلاوت سے عبادت نہیں کرتے، نہ ہی یہ نماز میں پڑھی جاتی ہے، نہ ہی اس سے چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ تواتر سے ایسے منقول ہے جس طرح تواتر سے قرآن منقول ہے۔ بلکہ اس میں صحیح بھی ہوتی ہے، ضعیف بھی اور موضوع بھی۔

❶ رواه البخاري (٧٤٠٥) كتاب التوحيد، ١٥-باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ (آل عمران: ٢٨)۔ ومسلم (٢٦٧٥) كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، ١-باب الحث على ذكر الله تعالىٰ۔

❷ اس سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کے متعلق علم ہو کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے بارے میں وحی ہوئی تھی۔ جیسے مستقبل کے متعلق غیب کی خبریں۔ جیسا کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے؛ نبی کریم ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے احرام باندھا اور اس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ اس معاملہ میں وحی آ گئی۔ چنانچہ اس جیسی روایات نبی کریم ﷺ کی طرف لفظاً منسوب کی جائیں گی نہ کہ معنیً۔

خبر کی نقل کے اعتبار سے اقسام

1: متواتر 2: آحاد

1: متواتر

(ا) متواتر کی تعریف:

"مَا رَوَاهُ جَمَاعَةٌ يَسْتَحِيلُ فِي الْعَادَةِ أَنْ يَتَوَاطَوُا عَلَى الْكَذِبِ وَأَسْنَدُوهُ إِلَى شَيْءٍ مَحْسُوسٍ ." [1]

"متواتر وہ ہے جس کو بہت بڑی جماعت روایت کرے اور عادت میں ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو اور یہ حدیث محسوس چیز کا فائدہ دیتی ہو۔"

متواتر کی اقسام:

ب: متواتر کی دو قسمیں ہیں:

اوّل......: متواتر لفظی ومعنوی

دوم......: متواتر معنوی فقط

① متواتر لفظی ومعنوی:

"مَا اتَّفَقَ الرُّوَاةُ فِيهِ عَلَى لَفْظِهِ وَ مَعْنَاهُ ."

[1] ۔ یہاں سے حدیث متواتر کی چار شروط اخذ کی جاسکتی ہیں ۔ ا۔ اسے راویوں کی ایک جماعت روایت کرے۔ [اس جماعت کی تعداد میں اختلاف ہے؛ اس کی کم سے کم تعداد چار بتائی گئی ہے] ۔۲۔ یہ تعداد سند کے ہر طبقہ میں ہو۔ ۳۔ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔ ۴۔ یہ روایت کسی محسوس چیز کا فائدہ دیتی ہو؛ جیسے راوی کہے: ہم نے سنا؛ ہم نے دیکھا؛ ہم نے چھوا۔

فائدہ:...... حدیث متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے جس کی تصدیق کرنا انسان پر لازم ہے۔

”متواتر لفظی و معنوی وہ ہے جس کے لفظ اور معنی پر راویوں کا اتفاق رہا ہو۔“

اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.)) ❶

”جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔“

اس حدیث کو انہی الفاظ و معنی کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے ساٹھ کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے، جن ان میں سے عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ پھر ان سے خلق کثیر نے روایت کیا ہے۔

② متواتر معنوی:

"مَا اتَّفَقَ الرُّوَاةُ فِيهِ عَلَى مَعْنًى كُلِّي وَ انْفَرَدَ كُلُّ حَدِيْثٍ بِمَعْنَاهُ الْخَاصِ."

”وہ حدیث ہے جس کے معنی کلی پر راویوں کا اتفاق ہو۔ مگر ہر حدیث اپنے خاص الفاظ میں منفرد ہو۔“

جیسے: احادیث شفاعت، اور مسح علی الخفین۔ شاعر نے اس کے متعلق کہا ہے:

مما تواتر حديث من كذب ... ومن بنى لله بيتا واحتسب

ورؤية شفاعة و الحوض ... ومسح خفين و هذه بعض

”متواتر احادیث میں سے حدیث: ”مَنْ كَذَبَ ......“ ہے۔

اور: ”وَمَنْ بنى لله بيتا واحتسب“ کو بھی اسی میں شمار کیا جائے۔

❶ بخاری (۱۲۹۱) کتاب الجنائز، ۳۴-باب ما يكره من النياحة على الميت ...... عن المغيرة۔ وهو ايضاً في البخاري (۱۱۰) كتاب العلم، ۳۸-باب إثم من كذب على النبي ﷺ۔ ومسلم (۳) المقدمة، ۲-: باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ من حديث أبي هريرة رضي الله عنه، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترك الكذابين والتحذير من الكذب على رسول الله ﷺ من حديث المغيرة بن شعبة و سمرة بن جندب رضي الله عنهما۔ وانظر ((الفتح)) (۱/ ۲۰۳- ۲۰۴)۔

اسی طرح رویت باری تعالیٰ شفاعت اور حوض کی احادیث، اور مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) یہ ان میں سے بعض احادیث ہیں۔

اس کا فائدہ:

متواتر اپنی دونوں قسموں میں ان امور کا فائدہ دیتی ہے:

اول: علم، اس سے مراد آپ ﷺ سے جو منقول ہے اس کی صحت کا قطعی یقینی ہونا۔

دوم: اس کے مطابق عمل۔ اگر وہ خبر ہے تو اس کی تصدیق اور اگر حکم ہے تو اس کی بجا آوری۔

2: آحاد

(ا) آحاد کی تعریف:

"مَا سِوَی الْمُتَوَاتِرِ ."

"متواتر کے علاوہ تمام احادیث کو آحاد کہتے ہیں۔" [1]

سند کے اعتبار سے خبر کی اقسام

خبر کی طرق کے اعتبار سے (تین) اقسام ہیں:

اس فن کی اہم کتابیں:

الازھار المتناثرۃ فی الأخبار المتواترۃ از علامہ سیوطی۔ (ابواب پر مرتب کی گئی ہے)۔

قطف الازھار از علامہ سیوطی۔ (پہلی کتاب کی تلخیص ہے)۔

نظم المتناثر من الحدیث المتواتر از محمد بن جعفر الکتانی۔

[1] یہ بھی کہا گیا ہے: "ھو ما لم یجمع فیہ شروط التواتر" وہ جس میں متواتر کی ساری شرائط نہ پائی جائیں۔" حدیث احاد: یہ علم نظری کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی یہ حدیث نظر اور استدلال پر موقوف ہوتی ہے۔ اب خبر احاد کی تقسیم دو اعتبار سے ہے: سند کے رتبہ کے اعتبار سے اور سند کی تعداد کے اعتبار سے۔

مشہور عزیز غریب ❶

(1) مشہور:

"مَا رَوَاهُ ثَلَاثَةٌ فَأَكْثَرُ وَ لَمْ يَبْلُغْ حَدَّ التَّوَاتُرِ."

"مشہور وہ حدیث ہے جس کو تین یا اس سے زیادہ راوی روایت کریں' مگر یہ متواتر کی حد کو نہ پہنچے۔"

اس کی مثال: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ." ❷

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔"

---

❶ بعض علماء کرام نے احادیث احاد کی چار اقسام بیان کی ہیں جبکہ چوتھی قسم حدیث مستفیض بتائی ہے اور اس کی تعریف میں تین اقوال ذکر کیے ہیں: (1) مستفیض مشہور کے مترادف ہے۔ (2) مشہور سے زیادہ خاص ہے؛ اس لیے کہ اس کی اسناد کے دونوں اطراف کا برابر ہونا شرط ہے۔ جب کہ مشہور میں یہ شرط نہیں۔ (3) یہ مشہور کی نسبت عام ہے۔ یعنی پہلے قول کے برعکس۔
شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ ان حضرات کے مسلک پر ہیں جو مشہور اور مستفیض میں فرق نہیں کرتے۔ (مترجم)

❷ بخاری (۱۰) کتاب الإیمان' ٤-باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ مسلم (٤٠) کتاب الإیمان' ١٤-باب: تفاضل الإسلام وأي أموره أفضل؛ من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه ـ و رواه البخاري (١١) كتاب الإيمان' ٥-باب أي الإسلام أفضل۔ و مسلم (٤٢) كتاب الإيمان' ١٤-باب تفاضل الإسلام وأي أموره أفضل؛ من حديث أبي موسى أشعري۔

فائدہ:...... مشہور حدیث کا حکم: مطلق طور پر شروع میں مشہور حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک اس پر تحقیق نہ کر لی جائے۔ تحقیق کے بعد پتہ چلے گا کہ یہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے یا ضعیف۔

اس فن کی مشہور کتابوں میں سے: ۱۔ المقاصد الحسنة فيما اشتهر على الألسنة از سخاوی۔ کشف الخفاء ومزيل الإلباس فيما اشتهر من الحديث على ألسنة الناس۔ از عجلونی۔ تميز الطيب من الخبيث فيما يدور على ألسنة الناس من الحديث۔ لابن دبيع الشيباني۔

(2) عزیز:

"مَا رُوَاهُ اثْنَان فَقَطْ ."

"وہ حدیث ہے جسے صرف دو راوی روایت کریں۔" ❶

اس کی مثال: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((والذی نفسی بیده" لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین .)) ❷

"(اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے)! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے ہاں اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں۔"

(3) غریب:

"مَا رُوَاهُ وَاحِدٌ فَقَطْ ."

"وہ حدیث جسے صرف ایک ہی راوی روایت کرے۔"

اس کی مثال: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوَی...... .)) ❸

"بے شک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی

---

❶ یعنی سند کے کسی طبقہ میں راویوں کی تعداد کم ہو کر دو رہ جائے۔ یہ تعداد اس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ بعض حضرات نے مشہور اور عزیز میں بعض صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیا۔

❷ بخاری (١٥٩) کتاب الإیمان، ٨-باب حب الرسول ﷺ من الإیمان۔ مسلم (٤٤) کتاب الإیمان' ١٤-باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أکثر من الأهل والولد و الناس أجمعین وإطلاق عدم الإیمان علی من لم یحبه هذه المحبة۔

❸ رواه البخاری (١) کتاب بدء الوحي' ١-باب کیف بدء الوحي إلی رسول الله ﷺ۔ ومسلم (١٩٠٧) کتاب الإمارة' ٤٥؛ باب قوله ﷺ: إنما الأعمال بالنیة" و أنه یدخل فیه الغزو وغیره من الأعمال۔

اس نے نیت کی۔''

اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے صرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے' آپ سے حضرت علقمہ بن ابی وقاص رحمہ اللہ نے' ان سے صرف محمد بن ابراہیم تیمی رحمہ اللہ نے، ان سے صرف یحی بن سعید انصاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ ❶ یہ سب تابعین ہیں۔ پھر یحی بن سعید سے بہت ساری خلقت نے روایت کی ہے۔

---

❶ فائدہ: بعض حضرات غریب حدیث پر ''فرد'' کا اطلاق کرتے ہوئے انہیں مترادف بھی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان میں فرق کیا ہے؛ اور ''فرد'' کو حدیث کی مستقل قسم مانا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں لغت اور اصطلاح میں مترادف ہی مانا ہے۔ ہاں ان میں کثرت وقلت استعمال کے لحاظ سے فرق ضرور ہے۔ اکثر طور پر فرد مطلق کو ''فرد'' کہتے ہیں؛ جبکہ فرد نسبی کو ''غریب'' کہتے ہیں۔

نیز ان میں یہ فرق ہے کہ: اگر غرابت سند کے شروع میں ہو تو اسے فرد مطلق یا غریب مطلق کہتے ہیں۔ جیسے مذکورہ بالا حدیث؛ اور اگر غرابت سند کے درمیان میں ہو تو اسے فرد نسبی کہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ روایت ہے:'' مالك عن الزهري عن أنس رضي الله عنه أن النبي ﷺ دخل مكة و على رأسه المغفر '' ''رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا۔'' [البخاري 4286]

یہ حدیث زہری رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں امام مالک رحمہ اللہ منفرد ہیں۔

فائدہ:...... اکثر طور پر غریب احادیث مسند بزار اور طبرانی کی معجم اوسط میں پائی جاتی ہیں۔

فائدہ:...... اس سلسلہ کی مشہور تصانیف میں سے:

۱: غرائب مالك۔ از امام دار قطنی
۲: الافراد۔ امام دار قطنی۔

۳: السنن التي تفرد بكل سنة منها أهل بلدة؛ از ابو داؤد سجستانی۔

حدیث کی رتبہ کے اعتبار سے اقسام

رتبہ کے اعتبار سے حدیث کی پانچ قسمیں ہیں:

صحیح لذاته — صحیح لغیره

حسن لذاته — حسن لغیره

ضعیف ۔

(1) صحیح لذاتہ

"مَا رَوَاهُ عَدْلٌ تَامُّ الضَّبْطِ بِسَنَدٍ مُتَّصِلٍ وَ سَلِمَ مِنَ الشُّذُوْذِ وَ الْعِلَّةِ الْقَادِحَةِ ."

صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے: "جسے عادل اور تام الضبط راوی متصل سند سے روایت کرے اور یہ شذوذ اور علت قادحہ سے سلامت ہو۔" ❶

اس کی مثال: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ .)) ❷

"جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا کرتے ہیں۔"

❶ اس تعریف سے پتہ چلتا ہے کہ صحیح وہ حدیث ہے جس میں پانچ شرطیں پائی جائیں: 1۔ سند متصل ہو، یعنی ہر راوی نے اسے اپنے استاد سے اخذ کیا ہو۔ 2۔ راوی عادل ہوں یعنی کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوں، صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتے ہوں، شائستہ طبیعت کے مالک اور بااخلاق ہوں۔ 3۔ کامل الضبط ہوں۔ یعنی حدیث کو تحریر یا حافظے کے ذریعہ کما حقہ محفوظ کر کے آگے پہنچائیں۔ 4۔ شاذ نہ ہو۔ یعنی کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ بڑے ثقہ/ اوثق راوی کی مخالفت نہ کرے۔ 5۔ معلول نہ ہو: [کوئی ایسا مخفی سبب نہ ہو جس سے حدیث کے صحیح ہونے پر قدح وارد ہوتی ہو]۔

❷ رواه البخاري(٧١) كتاب العلم'١٣-باب من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين۔ ومسلم(١٠٣٧) كتاب الزكاة'٣٣-باب النهي عن المسألة ۔

صحیح کی معرفت کے لیے تین امور:

اول: حدیث ایسی کتاب میں ہو جس کے مصنف نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا ہو اور صحت احادیث میں جس کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ۔

دوم: اس کی صحت پر ایسا امام وضاحت کرے تصحیح میں جس کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہو اور اس کے متعلق سستی معروف نہ ہو۔

سوم: اس کے راویوں اور ان سے تخریج کے طریقہ میں دیکھا جائے' جب اس میں صحت کی شروط پائی جائیں تو اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔

(2) صحیح لغیرہ:

" اَلْحَسَنُ لِذَاتِهِ إِذَا تَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ . "

حسن حدیث جب متعدد طریقوں سے روایت کی جائے تو اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔

اس کی مثال: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لشکر تیار کرنے کا حکم دیا، پس جب اونٹ ختم ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِبْتَعِ علینا إبلاً بِقَلَائِصَ مِنْ قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ إِلَى مَحِلِّهَا .))

"ہم پر ایک اونٹ ان صدقہ کے اونٹوں کے بدلہ میں فروخت کر واس کی جگہ تک۔"

(یعنی اس کی قیمت مدینہ منورہ پہنچ کر ادا کی جائے گی)۔

اس میں بیان یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ، دو یا تین اونٹوں کے بدل میں لیتے تھے۔"[1]

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے محمد بن اسحق رحمہ اللہ کی سند سے جبکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے

---

[1] رواه أحمد(٢/ ١٧١/ ٢٥٩٣) و (٢/ ٦١٢/ ٧٠٢٥)۔ والبيهقي في كتاب البيوع' باب بيع الحيوان وغيره مما لا ربا فيه بعضه ببعض نسئيه ۔ ومتابعة عمرو بن شعيب عند البيهقي (٥/ ٢٨٨) الكتاب و الباب ذاتهما ۔ وانظر تخريج الشيخ أحمد شاكر على المسند (٦٥٩٣) و سنن أبي داؤد (٣٣٥٧) كتاب البيوع' ١٦-باب الرخصة في ذلك۔

عمرو بن شعیب کی سند سے روایت کیا ہے؛ تو مجموعی طور پر یہ حدیث صحیح لغیرہ کے رتبہ کو پہنچ جاتی ہے۔اسے صحیح لغیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے ہر ایک سند کو انفرادی طور پر دیکھا جائے تو یہ صحت کے رتبہ تک نہیں پہنچتی؛ مگر جب ان کو مجموعی طور پر دیکھتے ہیں تو یہ باہم مل کر قوی ہو جاتی ہیں اور رتبہ صحت تک پہنچ جاتی ہیں۔

(3) حسن لذاتہ

"مَا رَوَاہُ عَدْلٌ خَفِيْفُ الضَّبْطِ بِسَنَدٍ مُتَّصِلٍ وَ سَلِمَ مِنَ الشُّذُوْذِ وَ الْعِلَّةِ الْقَادِحَةِ ."

"وہ حدیث ہے جسے نقل کرنے والا راوی عادل اور خفیف الضبط ہو، متصل سند سے روایت کرے، اور یہ شذوذ اور قدح کرنے والی علت سے خالی ہو۔"

حسن اور صحیح کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ صحیح کا راوی تام الضبط ہوتا ہے جبکہ حسن کے راوی کا ضبط کم ہوتا ہے۔ اس کی مثال: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ ." [1]

"نماز کی کنجی طہارت ہے اور تکبیر سے اس کی تحریم ہے اور تحلیل سلام سے ہوتی ہے۔"

حدیثِ حسن کا امکان: ابن صلاح رحمہ اللہ کہتے ہیں: جن احادیث کو ابو داؤد نے منفرد روایت کیا ہے ان میں سے اکثر میں حسن کا گمان ہے۔" [2]

(4) حسن لغیرہ:

"هُوَ الضَّعِيْفُ إِذَا تَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ عَلَى وَجْهٍ يُجْبِرُ بَعْضُهَا بَعْضاً بِحَيْثُ لَا يَكُوْنُ فِيْهَا كَذَّابٌ وَّ لَا مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ ."

---

[1] رواه الترمذي (٣) كتاب الطهارة '٣-باب ما جاء في أن مفتاح الصلاة الطهور- وقال: هذا الحديث أصح شئي في هذا الباب (فيه عبد الله بن محمد بن عقيل) قد تكلم فيه بعض أهل العلم من قبل حفظه - و أبو داؤد (٦١) كتاب الطهارة '٣١-باب فرض الوضوء -وابن ماجة (٢٧٥) كتاب الطهارة و سننها '٣-: باب مفتاح الصلاة الطهور - و أحمد (١/ ١٢٣)۔

[2] علوم الحديث (المقدمة) ١٠ -مع التقييد و الإيضاح ٣٧۔

''جب ضعیف حدیث متعدد طرق سے ایسے روایت کی جائے کہ بعض طرق دوسرے کی تائید کرتے ہوں، نہ ہی میں کوئی جھوٹا راوی ہو اور نہ ہی اس پر جھوٹ کی تہمت ہو؛ تو اس حدیث کو حسن لغیرہ کہا جاتا ہے۔'' [شرح نخبۃ الفکر]

اس کی مثال: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

''جب نبی کریم ﷺ دعا میں اپنے ہاتھ پھیلاتے تو اس وقت تک واپس نہ کرتے جب تک اپنے چہرہ پر نہ پھیر لیتے۔'' ❶

بلوغ المرام میں (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے) کہا ہے: ''ابو داؤد میں اس کے شواہد ہیں؛ ان کا مجموعہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔''

اس حدیث کا نام ''حسن لغیرہ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اگر اس کی روایت کے طرق میں سے ہر طریق کو منفرد طور پر دیکھا جائے تو یہ حسن کے رتبہ کو نہیں پہنچ پاتی لیکن جب اس کے سارے طرق دیکھے گئے تو اس کو تقویت مل گئی اور یہ حسن کے رتبہ کو پہنچ گئی۔ ❷

---

❶ رواه الترمذي (٣٣٨٦) كتاب الدعوات' ١١ - باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء. وقال: صحيح غريب ـ وحديث ابن عباس' رواه ابو داؤد (١٤٨٥) كتاب الوتر' ٢٣ -باب الدعاء ـ

فائدہ: جب یہ کہا جائے کہ: "هذا حديث صحيح الإسناد " ''اس حدیث کی سند صحیح ہے''؛ یا پھر یوں کہا جائے کہ: "هذا حديث حسن الإسناد "؛ اس حدیث کی سند حسن ہے۔'' اور یوں نہ کہیں: "هذا حديث صحيح" یہ حدیث صحیح ہے؛ یا: "هذا حديث حسن" یہ حدیث حسن ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہے؛ متن نہیں۔ اس میں کوئی شذوذ اور علت موجود ہے۔
فرق یہ ہے: جب محدث کہتا ہے: "هذا حديث صحيح الإسناد " ''اس حدیث کی سند صحیح ہے'' تو وہ اس کی سند کی پانچ میں سے تین شرائط پوری ہونے کی بات کرتا ہے؛ عدالت: سند کا متصل ہونا، اور راوی کا ضابط ہونا اور جب کہتا ہے: "هذا حديث صحيح" ''یہ حدیث صحیح ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ تین شروط کے ساتھ دوسری دو شرائط بھی مکمل ہیں؛ اس میں نہ ہی کوئی علت ہے اور نہ ہی حدیث شاذ ہے۔

❷ اس میں کچھ فوائد کی باتیں ہیں: ۱۔ حسن لغیرہ کا مرتبہ حسن لذاتہ سے کم اور ضعیف سے اوپر ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں اقسام کی احادیث میں تعارض ہو جائے تو حسن لذاتہ کو ترجیح حاصل ہو گی۔
۲۔ اس حدیث کا حکم: حسن لغیرہ مقبول اور قابل استدلال حدیث ہوتی ہے۔

(5) ضعیف

"مَا خَلاَ عَنْ شُرُوطِ الصَّحِیْحِ وَ الْحَسَنِ ."

''ضعیف وہ حدیث جس میں حسن اور صحیح کی شرطیں نہ پائی جائیں۔'' ❶

اس کی مثال حدیث:

"اِحْتَرِسُوا مِنَ النَّاسِ بِسُوءِ الظَّنِ ."

''لوگوں کے متعلق بدگمانی سے بچو۔''

جن کتب میں زیادہ ضعیف حدیثوں کا گمان ہے ان میں سے: ''وہ روایات جن میں عقیلی منفرد ہو یا ابن عدی یا پھر وہ احادیث جنھیں خطیب بغدادی اور ابن عساکر اپنی تاریخ میں، دیلمی مسند فردوس میں اور حکیم ترمذی نوادر الأصول میں نقل کریں۔ یہ صاحب سنن ترمذی کے علاوہ ہیں۔ اور ایسے ہی ابن جارود اور حاکم اپنی تاریخ میں جن احادیث کا ذکر کریں۔

ضعیف کے علاوہ باقی اخبار آحاد کا فائدہ:

اول: ظن: یعنی جس سے یہ روایت نقل کی گئی ہے' اس کی طرف اس کے منسوب ہونے میں صحت و درستگی کا رجحان ہو اور یہ ظن اپنے سابقہ مراتب کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ جب کہ بیشتر اوقات علم کا فائدہ دیتی ہے، جب اس کے ساتھ ایسے قرائن پائے جائیں یا اصول اس کی شہادت دیں۔

دوم: اس کی دلالت کے مطابق عمل: اگر وہ خبر ہے تو اس کی تصدیق اور اگر حکم ہے تو اس کی بجاآوری اور تعمیل۔

جب کہ ضعیف حدیث نہ تو ظن کا فائدہ دیتی ہے اور نہ ہی عمل کا اور نہ ہی اسے بطور دلیل معتبر سمجھنا جائز ہے اس کا ضعف بیان کیے بغیر ترغیب و ترہیب میں بھی اس کا ذکر

❶ ضعیف حدیث کے بھی مختلف مراتب ہیں جیسے صحیح احادیث کے مراتب ہیں۔ جیسے ضعیف شدید ضعیف، واہی، منکر اور ان میں سب سے برا مرتبہ موضوع کا ہے۔

کرنا درست نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے درج ذیل تین شروط کے ساتھ اس کا ذکر کرنے کی رخصت دی ہے۔

① اس کا ضعف شدید نہ ہو۔

② جس عمل کی ترغیب وترہیب ذکر کی جا رہی ہے' اس کی اصل صحیح حدیث سے ثابت ہو۔

③ اس بات کا اعتقاد نہ رکھے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

ترغیب وترہیب میں اس کے ذکر کا فائدہ:

ترغیب میں اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ ثواب کے حصول کے لیے نفوس کو اس عمل پر ابھارا جائے جس کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ پھر اگر یہ کام ہو گیا تو بہتر، ورنہ عبادت میں اس کا اجتہاد اس کو نقصان نہ دے گا اور نہ ہی اس کا اصلی ثواب ضائع ہو گا جو مامور بہ کے ادا کرنے پر ہے۔

جب کہ ترہیب میں اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہو گا کہ نفوس کو اس عمل سے متنفر کیا جائے' جس سے ڈرایا جا رہا ہے' اس خوف سے کہ کہیں وہ اس عقاب میں واقع نہ ہو۔ اگر وہ اس سے بچ جائیں اور عقاب واقع نہ ہو تو اسے کوئی نقصان نہ ہو گا۔

صحیح لذاتہ کی تعریف کی شرح

یہ بات گزر چکی ہے کہ صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے: "مَا رَوَاهُ عَدْلٌ تَامُ الضَّبْطِ بِسَنَدٍ مُتَّصِلٍ وَ سَلَّمَ مِنَ الشُّذُوْذِ وَ الْعِلَّةِ الْقَادِحَةِ." "جسے عادل' تام الضبط راوی متصل سند سے روایت کرے' اور یہ شذوذ اور قدح کرنے والی علت سے سلامت ہو۔"

[عادل] عدالت: دین اور مروت میں استقامت کو کہتے ہیں۔

دین میں استقامت سے مراد" واجبات کا ادا کرنا اور محرمات میں سے ان امور سے اجتناب کرنا ہے جن سے فسق واجب ہوتا ہو۔"

مروت: میں استقامت سے مراد یہ ہے کہ آداب اور اخلاق میں ایسے کام کرے لوگ

جن پر تعریف کرتے ہوں اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے' جن کے کرنے پر لوگ مذمت کرتے ہوں۔ راوی کی عدالت مشہور آئمہ کی تصدیق پر قبول ہوگی، جیسے: امام مالک، احمد، بخاری اور ان جیسے دیگر علماء کرام ﷭۔ یا ایسا عالم یقین کے ساتھ (کسی کی تعدیل کرے) جن کا قول معتبر ہے۔

تام الضبط:..... اس سے مراد یہ ہے کہ جس حدیث (روایت) کو وہ لے رہا ہے' خواہ وہ سمعی ہو یا مرئی (یعنی لکھی ہوئی) اس کو بغیر کمی و بیشی کے ایسے ہی آگے پہنچائے جیسے اس نے وہ عبارت (اپنے شیخ یا استاذ سے) لی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسی معمولی غلطی ہو جائے جس سے معنی نہ بدلتا ہو تو وہ نقصان دہ نہ ہوگی، کیونکہ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ راوی کا ضبط ان ثقات حفاظ کی اس کی موافقت سے پہچانا جائے گا، جن کا قول معتبر ہو اگرچہ غالباً اس پر ان لوگوں کی طرف سے وضاحت کی جاتی ہے۔

اتصال سند:...... اس سے مراد یہ ہے کہ روایت کرنے والا جس سے روایت کر رہا ہے اس سے براہ راست نقل کرے' خواہ یہ مباشرتاً ہو یا حکماً۔

مباشرت سے مراد ہے کہ جس سے روایت نقل کر رہا ہے' اس سے ملاقات ہو اور اس سے سنے' یا دیکھے' اور کہے: "حدثنی' یا" سمعت "یا" رأیت فلانا"۔

حکم سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے معاصر سے ایسے الفاظ میں روایت کریں جن میں سماع اور رؤیت کا احتمال ہو۔ مثال کے طور پر یوں کہے: "قال فلان" یا پھر کہے: "عن فلان" یا "فعل فلان" اور ان جیسے دیگر الفاظ۔

کیا معاصر ہونے کے ساتھ ملاقات کا ثبوت ضروری ہے، یا ملاقات کا امکان ہی کافی ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول امام بخاری ﷫ کا ہے جب کہ دوسرا قول امام مسلم ﷫ کا۔

امام نووی ﷫ فرماتے ہیں:

''امام مسلم ﷫ کے قول کا محققین نے انکار کیا ہے اور فرمایا ہے: اگرچہ ہم امام

مسلم پر (صحیح مسلم) میں اس پر عمل کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگاتے، اس لیے کہ وہ اتنے طرق جمع کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ اس حکم کا جواز متعذر ہو جاتا ہے۔'' واللہ اعلم

یہ موقف غیر مدلسین کے متعلق ہے، جب کہ مدلس کی روایت پر متصل ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک وہ سننے یا دیکھنے کی صراحت نہ کر دے۔

متصل سند کی پہچان:

سند کا متصل نہ ہونا کیسے پہچانا جائے گا؟

سند کا متصل نہ ہونا دو امور سے پہچانا جائے گا:

1: اس بات کا علم ہو جائے کہ جس سے روایت کی جا رہی ہے' وہ راوی کے سنِ تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر چکا تھا۔

2: یہ کہ راوی یا آئمہ حدیث میں سے کوئی ایک اس بات کو واضح طور پر کہے کہ اس کا مروی عنہ سے اتصال نہیں ہے' یا یہ کہ ''اس نے نہیں سنا'' یا یہ کہے کہ: ''جو ان سے متعلق بیان کیا جا رہا ہے اس نے نہیں دیکھا۔''

شذوذ:

شذوذ یہ ہے کہ ثقہ اپنے سے راجح راوی کی مخالفت کرے۔ یا پھر کمال عدالت کی وجہ سے، تام الضبط ہونے کی وجہ سے، کثرت عدد یا شیخ سے ملازمت کی وجہ سے اوثق ہو۔

اس کی مثال: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں میں بچا ہوا نہیں تھا (یعنی نئے پانی سے مسح کیا)۔''

اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ابن وہب رحمہ اللہ کے طریقہ سے روایت کیا ہے ❶
جبکہ امام بیہقی نے انہی کی سند سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

((أنه أخذ لأذنيه ماء خلاف الذي أخذه لرأسه .))

''آپ ﷺ نے اپنے کانوں کے مسح کے لیے سر کے مسح کے لیے گئے پانی کے علاوہ اور پانی لیا۔''

بیہقی کی یہ روایت شاذ ہے؛ کیونکہ ابن وہب سے روایت کرنے والا راوی ثقہ ہے، مگر وہ ان کی مخالف کر رہا ہے جو اس سے اکثر اور اوثق ہیں۔ چونکہ ابن وہب سے لوگوں کی ایک جماعت نے ان ہی الفاظ میں روایت کیا ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں۔ اس بنا پر امام بیہقی کی روایت غیر صحیح ہوگی اگرچہ اس کے راوی ثقہ ہیں، کیونکہ یہ شذوذ سے سلامت نہیں ہے۔

علتِ قادح:

یہ ہے کہ بحث و تمحیص کے بعد ایسی علت ظاہر ہو جو حدیث کے قبول کرنے پر قادح ہو۔ مثال کے طور پر یہ ظاہر ہو کہ یہ حدیث منقطع ہے یا موقوف یا یہ کہ اس کا راوی فاسق، کمزور حافظے والا، یا مبتدع ہے اور (مذکور) حدیث اس کی بدعت کو تقویت دیتی ہو یا اس طرح کا دیگر کوئی معاملہ ہو۔ اس وقت حدیث پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا؛ کیونکہ یہ علتِ قادحہ سے خالی نہیں ہے۔

اس کی مثال: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقْرَاِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ .)) ❷

---

❶ رواه مسلم (٢٣٦) كتاب الطهارة ٧ - و رواه البيهقي (١/ ٦٥) كتاب الطهارة...... وقال هذا إسناد صحيح ثم ذكر حديث مسلم وقال: وهذا أصح من الذي قبله وانظر: "سبل السلام (١/ ٤٩٩؛ و"نصب الراية "(١/ ٢٢' و" التلخيص الحبير (١/ ٩٠).

❷ رواه الترمذي (١٣١) كتاب الطهارة' ١٣١ - باب ما جاء في الجنب و الحائض أنهما لا يقرآن :نقرآن- وضعفه بإسماعيل بن عياش -وضعفه البيهقي (١/ ٣٠٩) والحافظ في الفتح (١/ ٤٠٩) والذهبي في "السير" (٦/ ١١٨)- "والميزان" ترجمة اسماعيل -

"جنبی یا حائضہ قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔"

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"یہ حدیث اسماعیل بن عیاش نے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کی ہے اور ہم صرف اسی سند سے اسے جانتے ہیں۔"

اس کی اسناد ظاہری طور پر صحیح ہیں لیکن اس میں علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اسماعیل بن عیاش کا حجازیوں سے روایت کرنا ضعیف ہے جبکہ یہ حدیث بھی انہی میں سے ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث غیر صحیح ہوگی، کیونکہ اس میں علتِ قادحہ موجود ہے۔

اگر علت غیر قادحہ ہو تو یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے میں مانع نہیں ہوتی۔

اس کی مثال: ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ .)) [1]

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ اس کے لیے گویا ایک سال کے روزے تھے۔"

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث سعد بن سعید رحمہ اللہ کی سند سے روایت کی ہے اور اس میں علت یہ بیان کی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ لیکن یہ علت غیر قادحہ ہے، اس لیے کہ بعض آئمہ رحمہم اللہ نے اس کی توثیق کی ہے، نیز اس کی متابعات بھی موجود ہیں اور امام مسلم رحمہ اللہ کا اس کو اپنی صحیح میں نقل کرنا ہی ان کے ہاں اس کی صحت کی دلیل

[1] رواه مسلم (١١٦٤) كتاب الصيام'٣٩- باب استحباب صوم ستة أيام من شوال اتباعاً لرمضان ـ قال القرطبي:"في تفسيره (٢/ ٣٣١) حديث حسن صحيح؛ من حديث سعد بن سعيد الأنصاري المدني' وهو ممن لم يخرج له البخاري شيئاً ـ وقال ابن ملقني تحفة المحتاج (٢/ ١١٢) له متابعات و شواهد ـ وانظر: " خلاصة البدر المنير "(١/ ٣٣٦) و " سبل السلام "ـ

ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ علت قابل قبول نہیں ہے۔

ایک حدیث کی سند میں دونوں اوصاف صحت اور حسن کا جمع ہونا:

یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ صحیح حدیث بھی حسن کی قسم ہے اور یہ دو مختلف حدیثیں ہیں۔ لیکن کبھی ہمارے سامنے کوئی ایسی روایت آتی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''یہ صحیح حسن'' ہے۔ اس صورت میں ان دو متغایر صفات کے درمیان جمع کیسے ممکن ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا گیا ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کی ایک سند حسن ہے اور دوسری صحیح۔ چنانچہ دونوں وصفوں میں باعتبار سند کے جمع کردیا ہے۔

اور اگر حدیث کی سند ایک ہی ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس میں تردد ہے کہ کیا یہ حدیث صحت کے مرتبہ کو پہنچ گئی ہے یا حسن کے مرتبہ میں ہے۔

منقطع السند

تعریف:

"هُوَ الَّذِيْ لَمْ يَتَّصِلْ سَنَدُهٗ."

''وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو۔'' ❶

صحیح اور حسن حدیث کی شروط میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ: ''ان کی سند متصل ہو۔''

اقسام:

منقطع السند کی چار اقسام ہیں:

- مرسل
- معلق
- معضل
- منقطع

(1) مرسل:

"مَا رَفَعَهٗ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ صَحَابِيٌّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ، أَوْ تَابِعِيٌّ۔"

''مرسل وہ حدیث ہے جسے ایسا صحابی نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرے جس نے آپ سے سماع نہ کیا ہو یا تابعی (نبی ﷺ سے

❶ سند کا متصل نہ ہونا یعنی منقطع ہونا ردِ حدیث کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ سند کا انقطاع کبھی ظاہر اور واضح ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا چار اقسام اس ظاہری سقط کی اقسام ہیں۔ ان کو عام تاریخ کا علم رکھنے والا بھی جان سکتا ہے؛ اسے پتہ چل جاتا ہے کہ روایت کرنے والا اپنے استاذ سے ملا ہی نہیں؛ شیخ تو کہیں بہت پہلے فوت ہو چکا اور اس کے علاوہ دیگر اسباب بھی ہیں۔ جبکہ کبھی انقطاع مخفی ہوتا ہے، جسے علماء کرام نے مدلس اور مرسل خفی کا نام دیا ہے۔ اسے صرف ماہرین اہل فن ہی جان سکتے ہیں یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔

روایت کرے)۔''❶

(2) معلق:

" مَا حُذِفَ أَوَّلُ أَسْنَادِهِ. "

''وہ حدیث ہے جس کی سند شروع سے حذف کر دی جائے۔''❷

❶ آسان لفظوں میں جب تابعی صحابی کا نام لیے بغیر یوں کہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آپ ﷺ نے یوں کیا یا آپ کے سامنے ایسے کیا گیا اور آپ خاموش رہے۔ محدثین کے ہاں اس کو مرسل کہتے ہیں۔ اس کی مثال صحیح مسلم کتاب البیوع میں ہے: سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔'' سعید بن مسیب بہت بڑے تابعی ہیں۔ آپ نے اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ تو صحابی کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ حدیث مرسل کہلائی۔ جبکہ فقہاء کے نزدیک ہر قسم کی منقطع سند والی روایت کو مرسل کہا جاتا ہے۔ مرسل حدیث صحت کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہے۔ محدثین کے ہاں مرسل قبول کی جا سکتی ہے اگر غیر مذکور راوی صحابی ہو۔ کیونکہ صحابی کے احوال سے لاعلمی کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ الغرض اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(1)...... جمہور محدثین اور بہت سارے اہل اصول اور فقہاء کے نزدیک مرسل روایت ضعیف اور مردود ہے۔ اس لیے کہ راوی کے حالات معلوم نہیں اور ممکن ہے غیر مذکور راوی صحابی نہ ہو۔

(2)...... مرسل روایت صحیح اور قابل استدلال ہے۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ؛ امام احمد؛ اور امام مالک رحمہم اللہ اور علماء کرام کی ایک جماعت کا ہے۔ ان کے ہاں شرط یہ ہے کہ مرسل یعنی روایت کرنے والا بھی ثقہ ہو اور ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہ کرتا ہو۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ ثقہ تابعی رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی بات صرف اسی وقت کہہ سکتا ہے جب اس نے کسی ثقہ سے وہ بات سنی ہو۔

(3)...... کچھ شروط کے ساتھ مقبول ہے۔ یہ امام شافعی اور بعض دیگر علماء کا مذہب ہے۔ جبکہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ جب مرسل روایت کو کسی دوسری روایت سے تائید مل جائے تو وہ قابل قبول ہوگی۔

جبکہ صحابی کی مرسل بالاتفاق قبول ہے؛ مثلاً چھوٹی عمر کے صحابہ جب بڑی عمر کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغیر نام لیے حدیث روایت کریں اور اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کریں تو یہ روایت مقبول ہوگی۔

اس سلسلہ کی اہم ترین کتابوں میں مراسیل ابو داؤد، مراسیل ابن حزم اور علائی کی جامع التحصیل ہیں۔

❷ اس کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ: ''سند کے شروع سے [یعنی محدث کا استاذ] ایک یا دو راویوں کو حذف کرنا تعلیق کہلاتا ہے۔ کبھی اس کی یہ صورت بنتی ہے کہ صحابی یا تابعی کے علاوہ ساری ⇐⇐

کبھی ساری سند کا حذف کرنا بھی مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے:

"وكان النبي ﷺ يذكر الله في كل أحيانه."

"اور نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔"

اور جن مصنفین نے نقل کیا ہے کہ (جیسا کہ صاحب "العمدة") جو اپنے اصل کی طرف بلا سند کے منسوب ہو تو اس پر معلق ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا؛ کیونکہ اس کو نقل کرنے والا اس کی سند بیان کرنے والا نہیں ہے بلکہ یہ فرع ہے' اور فرع کے لیے اصل کا ہی حکم ہوتا ہے۔

(3) معضل:

"مَا حُذِفَ مِنْ أَثْنَاءِ أَسْنَادِهِ رَاوِيَانِ فَأَكْثَرُ عَلَى التَّوَالِي."

"معضل وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے دو یا اس سے زیادہ راوی اکٹھے حذف کر دیے گئے ہوں۔"❶

(4) منقطع

"مَا حُذِفَ مِنْ أَثْنَاءِ أَسْنَادِهِ رَاوِيَانِ فَأَكْثَرُ لَا عَلَى التَّوَالِي."

"معضل وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے دو یا اس سے زیادہ راوی

⇦ سند کا حذف کر دینا تعلیق کہلاتا ہے۔ اس کی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ران کو ڈھانک دیا۔" اس میں آپ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی ساری سند کو حذف کر دیا۔

فائدہ:...... معلق حدیث کا حکم: یہ حدیث نا قابل قبول ہے؛ کیونکہ اس میں قبولیت کی شرائط میں سے ایک شرط مفقود ہے۔ اس لیے کہ محذوف راویوں کے حالات زندگی معلوم نہیں۔

صحیحین میں معلق روایات کا حکم: معلق روایت کو رد کرنے کا حکم مطلق معلق روایات کے لیے ہے۔ ہاں اگر کوئی محدث ایسا ہے جو صرف صحیح روایات کا التزام واہتمام کرتا ہے تو پھر اس کا ایک خاص حکم ہے۔

❶ معضل کا حکم: یہ روایت ضعیف اور مردود ہوتی ہے؛ اس کا حال مرسل اور منقطع سے بھی برا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں محذوف راویوں کی کثرت ہے۔ معضل روایت کے متعلق اس حکم پر علماء کا اجماع ہے۔

فائدہ:...... معضل روایات زیادہ تر سنن سعید بن منصور اور ابن ابی دنیا کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

متفرق حذف کر دیے گئے ہوں۔"

کبھی اس سے مراد لیا جاتا ہے کہ:"وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو۔" اس صورت میں یہ چاروں قسموں کو شامل ہوگی۔

اس کی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت ہے:

"حدثنا الحميدي عبد الله بن زبير قال حدثنا سفيان ، قال : حدثنا يحي بن سعيد الأنصاري' قال : أخبرني محمد بن إبراهيم التيمي : أنه سمع علقمة بن أبي وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن خطاب رضي الله عنه على المنبر ، قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:" إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ...... ."[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

جب اس کی سند سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حذف کر دیا جائے تو اسے مرسل کہا جائے گا، جب اس کی سند سے حمیدی کو حذف کر دیا جائے تو اسے معلق کہا جائے گا، جب اس کی سند سے سفیان اور یحییٰ بن سعید کو حذف کر دیا جائے تو اسے معضل کہا جائے گا اور جب اس کی سند سے فقط سفیان یا ان کے ساتھ تیمی کو حذف کر دیا جائے تو اسے منقطع کہا جائے گا۔

منقطع السند کا حکم:

منقطع السند کی تمام اقسام مردود ہیں، کیونکہ اس میں محذوف راوی کا حال مجہول ہوتا ہے۔ سوائے ان آنے والی اقسام کے:

① مرسل صحابی۔

---

[1] رواه البخاري (١) كتاب بدء الوحي'١-:باب كيف بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ۔ ومسلم (١٩٠٧) كتاب الإمارة'٤٥-:باب قوله ﷺ:إنما الأعمال بالنية"و أنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال۔

② مرسل کبار تابعین۔ ❶ بہت سارے اہل علم کے ہاں جب اس کو کسی دوسری مرسل روایت سے، صحابی کے عمل یا قیاس سے تقویت ملے تو یہ قابل قبول ہے۔

③ معلق جب جزم کے صیغہ سے کسی ایسی کتاب میں ہو جس نے صحتِ حدیث کا التزام کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری۔

④ جو کسی دوسری سند سے متصل آئے اور اس میں قبول کی شرطیں پوری ہوں۔

❶ بار تابعین وہ ہیں جن کی اکثر روایات صحابہ کرام سے ہوں' جیسے سعید بن مسیب اور عروۃ بن زبیر رحمہما اللہ۔

تدلیس

تعریف:

" سِيَاقُ الْحَدِيْثِ بِسَنَدٍ يُوْهِمُ أَنَّهُ أَعْلٰى مِمَّا كَانَ عَلَيْهِ فِي الْوَاقِعِ . " ❶

"کسی حدیث کو کسی ایسی سند سے روایت کرنا جس سے اس کے اس کی اصل سند سے اعلیٰ ہونے کا گمان ہو۔"

اقسام:

تدلیس کی دو قسمیں ہیں:

❶: تدلیس الأسناد اور ❷: تدلیس شیوخ

(1) تدلیس الاسناد:

"جس راوی سے ملاقات ہے، اس سے ایسی روایت نقل کرے جو اس کے الفاظ سے سنی ہو اور نہ ہی اس کے عمل سے دیکھی ہو۔ (اسے) ایسے الفاظ سے روایت کرے جس سے یہ وہم ہو کہ اس نے یہ روایت سنی ہے یا دیکھا ہے۔ مثال کے طور پر (وہ یوں

---

❶ تدلیس کا مطلب ہے سند میں عیب کو چھپا کر اسے ظاہری طور پر اچھی صورت میں پیش کرنا۔ مدلس کا مقصد ہی سند کے عیب کو چھپانا ہوتا ہے۔ اکثر طور پر مدلس اپنے شیخ کا نام نہیں لیتا، بلکہ استاذ کے استاذ کا نام لیتا ہے اور اس عیب کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ حدیث کی سند میں انقطاع چھپ جائے اور یوں لگے کہ اس کی سند متصل ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں۔ جن میں سے اہم اقسام: تدلیس الاسناد: تدلیس الشیوخ اور تدلیس تسویہ ہیں۔ تدلیس الاسناد کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: "أن يروي الراوي عمن قد سمع منه مالم يسمع منه ؛ من غير أن يذكر أنه سمع منه " "راوی اپنے شیخ سے ایسی روایت کرے جو اس نے اپنے اس شیخ سے سنی ہی نہیں۔"

کہے): "قال" یا پھر کہے: "فعل" یا "عن فلانٍ أن فلانًا قال اور اس طرح کے دیگر الفاظ۔

(2) تدلیس شیوخ:

یہ کہ راوی اپنے شیخ کا وہ نام لے' یا اس کی ایسی صفت بیان کرے جو اس کی شہرت کے عکس ہو' اس سے وہم ہو کہ یہ شیخ کوئی اور ہے (ایسا وہ) یا تو اس کی کم سنی کی وجہ سے کرتا ہے، اس لیے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی روایت اس طرح ظاہر ہو کہ وہ اپنے سے کم سن سے روایت کر رہا ہے۔ یا پھر اس لیے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے شیوخ بہت زیادہ ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور مقاصد ہوں۔

مدلسین کے گروہ:

مدلسین بہت زیادہ ہیں' ان میں ضعفاء بھی ہیں اور ثقات بھی، جیسے حسن بصری، حمید الطویل، سلیمان بن مہران الأعمش، محمد بن اسحاق اور ولید بن مسلم۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں پانچ مراتب میں تقسیم کیا ہے:

پہلا مرتبہ: جو کبھی کبھار ہی تدلیس کرتے ہیں' جیسا کہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ۔

دوسرا مرتبہ: وہ جن کی تدلیس کو آئمہ نے قبول کیا ہو اور ان کی امامت اور ثقاہت اور قلتِ تدلیس کی وجہ سے ان کی روایات کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہو، جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ۔

یا وہ جو صرف ثقہ ہی سے تدلیس کرتا ہو جیسا کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ۔

تیسرا مرتبہ: جو ثقات کی قید کے بغیر کثرت سے تدلیس کرتا ہو، جیسا کہ ابو زبیر مکی رحمہ اللہ۔

چوتھا مرتبہ: جو زیادہ تر ضعفاء اور مجہول لوگوں سے تدلیس کرتا ہو، جیسے بقیہ بن ولید۔

پانچواں مرتبہ: جس میں کسی اور قسم کا بھی ضعف ملا ہوا ہو' جیسا کہ عبداللہ بن لہیعہ۔

مدلس کی حدیث کا حکم:

مدلس حدیث غیر مقبول ہے، سوائے اس کے کہ راوی ثقہ ہو اور وہ راوی سے براہ

راست روایت کرنے کی صراحت کرے۔ مثال کے طور پر وہ کہے: "سمعت فلاناً یقول" یا کہے: "رأیته یفعل" یا پھر کہے: "حدثني" اور اس طرح کے دیگر الفاظ۔ لیکن جو امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں ثقات مدلسین سے تدلیس کے صیغہ کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ مقبول ہے، اس لیے کہ امت نے ان کتب میں موجود روایات کو بغیر تفصیل کے قبول کیا ہے۔ ❶

---

❶ اس کی ایک تیسری قسم بھی ہے جسے ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کیا۔ وہ ہے: تدلیس تسویہ۔ اس کی تعریف علماء کرام نے یوں کی ہے: "هو رواية الراوي عن شيخه ؛ ثم إسقاط راوٍ ضعيف بين ثقتين لقي أحدهما الآخر" راوی کا اپنے شیخ سے روایت کرنا اور پھر دو ایسے ثقہ راویوں کے درمیان میں سے ضعیف روای کو حذف کر دینا جو دونوں ثقہ آپس میں ملے ہوں۔

اس کی صورت یہ ہے کہ راوی کسی ثقہ شیخ سے حدیث روایت کرے، وہ ثقہ ضعیف راوی سے اور یہ ضعیف راوی ثقہ راوی سے روایت کرتا ہو۔ جبکہ یہ دونوں ثقہ یعنی ضعیف راوی کا استاذ اور شاگرد آپس میں مل چکے ہوں۔ پس یہ مدلس اپنے ثقہ استاذ کے ضعیف استاذ کو درمیان سے حذف کر دے اور سند کو اپنے دادا استاذ سے ملا دے نیز دوسرے ثقہ شیخ سے ان الفاظ میں روایت کرے جن میں سماعت اور عدم سماعت دونوں کا احتمال ہو۔ لہٰذا اس طرح وہ پوری سند کو برابر ثقہ راویوں سے روایت کرے۔

یہ تدلیس کی سب سے بری قسم ہے۔ اس لیے کہ بیشتر اوقات پہلا ثقہ تدلیس نہیں کرتا۔ پس دیکھنے والا اسے اس طرح سمجھتا ہے کہ ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ سے روایت کر رہا ہے اور وہ اس سند پر صحیح ہونے کا حکم لگا دیتا ہے۔ جب کہ اس میں بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔

اس قسم کی تدلیس میں سب سے مشہور بقیہ بن ولید ہے۔ ابو مسہر کہتے ہیں:

أحاديث بقية ليست نقية و لكن منها على تقية ۔

مضطرب

تعریف:

"مَا اخْتَلَفَ الرُّوَاةُ فِي سَنَدِهٖ أَوْ مَتْنِهٖ ، وَ تَعَذَّرَ الْجَمْعُ فِي ذٰلِكَ وَ التَّرْجِيْحُ ." ❶

''وہ حدیث جس کی سند یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو اور ان میں جمع اور ترجیح نا ممکن ہو۔''

اس کی مثال: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے' وہ فرماتے ہیں: بیشک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

((أَرَاكَ شِبْتَ ـ قَالَ: "شَيَّبَتْنِي هُود وَ أَخَوَاتُهَا .)) ❷ ، ❸

''میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں۔فرمایا: مجھے سورت ہود اور اس کی بہنوں (مشابہ مضمون والی سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے۔''

اس حدیث میں تقریباً دس وجوہ اختلاف ہیں؛ اسے موصول بھی روایت کیا گیا ہے اور مرسل بھی۔ اسے مسندِ ابو بکر مسند عائشہ اور مسند سعد رحمہ اللہ میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اختلاف ہیں جن میں جمع ممکن ہے اور نہ ہی کسی روایت میں ترجیح ممکن ہے۔

---

❶ اس کی ایک تعریف یوں کی گئی ہے:(ما روی علی أوجه مختلفة متساوية فی القوة)۔

❷ مسند البزار ؛ مسند ابو بكر (٩٢) ۔الدار قطنی " العلل الواردة في الأحاديث النبوية"(١/ ١٩٣- ٢١١ ؛ سوال ١٧)۔

❸ عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:"اخواتها" سے مراد:"اقتربت الساعة ؛ إذا الشمس كورت اور المرسلات ہیں۔

جمع وترجیح کی صورت میں حکم:

اگر ان کے درمیان جمع ممکن ہوتو ایسا کرنا واجب ہو جائے گا لہٰذا اضطراب کی نفی کی جائے گی۔

اس کی مثال: ان روایات میں اختلاف کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کس چیز کا احرام باندھا تھا؟۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا جبکہ بعض میں حج تمتع کا کہا گیا ہے اور بعض میں ہے کہ آپ ﷺ نے حج اور عمرہ کو اکٹھا کیا تھا' یعنی حج قران کیا تھا۔ ❶ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''ان میں کوئی تناقض نہیں ہے، بیشک آپ ﷺ نے حج قران کے ارکان سے تمتع کیا (یعنی فائدہ اٹھایا) اور حج کے اعمال افرادی طور پر ادا کیے اور مناسک حج اور عمرہ کو جمع کیا۔ ان دونوں نسک کو جمع کرنے کے اعتبار سے آپ ﷺ نے قران کیا تھا اور اس اعتبار سے مفرد تھے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کی۔ جبکہ اس اعتبار سے متمتع تھے کہ آپ نے ان دو عبادتوں کے لیے ایک ہی سفر کر کے اس سے فائدہ اٹھایا۔''

اگر ان کے مابین ترجیح ممکن ہوتو ایسا کرنا بھی واجب ہو جائے گا، لہٰذا اضطراب کی نفی کی جائے گی۔

اس کی مثال: حدیث بریرۃ رضی اللہ عنہا کے متعلق اختلاف ہے۔ جب آپ کو آزاد کیا گیا اور یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا اس سے علیحدہ ہو جائے تو کیا ان کے شوہر غلام تھے یا آزاد تھے۔ ❷ اسود نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ آزاد تھے۔ جب کہ عروہ بن زبیر اور قاسم بن محمد بن ابو بکر رحمہما اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت کی ہے کہ وہ غلام تھے۔ ان دونوں کی روایت کو اسود کی روایت پر ترجیح حاصل ہے' کیونکہ یہ دونوں

---

❶ ذكره ابن قيم رحمه الله في زاد المعاد (٢/ ١٢١)۔

❷ رواه البخاري (٥٢٨٢) كتاب الطلاق' ١٥- باب خيار الأمة تحت العبد۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریبی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عروۃ رحمہ اللہ کی خالہ اور قاسم کی پھوپھی ہیں۔ جبکہ اسود اجنبی بھی ہیں اوران کی سند میں انقطاع بھی ہے۔

مضطرب حدیث کا حکم:

مضطرب حدیث ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔ حدیث کا اضطراب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ راوی کا ضبط درست نہیں۔ الا یہ کہ اضطراب کا مرجع اصل حدیث کی طرف نہ ہوتو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس کی مثال: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ والی حدیث کی روایات میں اختلاف ہے کہ انہوں نے خیبر کے دن بارہ دینار میں ایک ہار خریدا' جس میں سونا اور موتی تھے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اسے کھولا تو اس میں بارہ دینار سے زیادہ (کے موتی اور سونا) پائے۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تُبَاعَ حَتّٰى تُفَصَّلَ۔"[1]

"اسے نہ بیچنا جب تک اسے علیحدہ نہ کردو۔"

- بعض روایات میں ہے: "فضالہ نے وہ ہار خرید لیا تھا"
- بعض روایات میں ہے: کسی اور نے ان سے خریدنے کا کہا تھا۔
- بعض روایات میں ہے کہ اس میں سونا اور موتی تھے۔
- بعض روایات میں ہے کہ اس میں سونا اور ہیرے تھے۔
- بعض روایات میں ہے کہ موتی سونے کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے۔
- بعض روایات میں ہے کہ اسے بارہ دینار میں خریدا، بعض میں نو دینار اور بعض میں سات دینار کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے حدیث کا ضعف لازم نہیں آتا، بلکہ حدیث

---

[1] رواہ مسلم (١٥٩١) کتاب المساقاۃ ١٧ - باب بیع القلادۃ فیها ذهب و خرز۔ والروایات ذکرها الحافظ في "التلخیص الحبیر" (٣/ ٩)۔ وأحال على "المعجم الکبیر" للطبراني وهو في المجلد الثامن عشر منه۔ وقوله المذکور في کلام الشیخ رحمه الله موجود في "التلخیص"۔

سے استدلال محفوظ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ ہے: ''جدا کرنے سے پہلے بیچنے کی ممانعت۔'' رہ گئے چیز کی جنس یا اس کی قیمت کی مقدار' اس کا اس حال میں اس حدیث سے کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جس کی وجہ سے اضطراب لازم آتا ہو۔

ایسے ہی راوی کے نام اور اس کی کنیت میں اختلاف کا واقع ہونا یا اس جیسے کسی امر سے اضطراب لازم نہیں آتا۔ جب کہ یہ ایک چیز پر متفق ہوں' جیسا کہ بہت ساری صحیح احادیث میں پایا جاتا ہے۔ ❶

---

❶ **فائدہ**: اضطراب کبھی ایک ہی راوی سے واقع ہو جاتا ہے؛ کہ وہ ایک ہی حدیث کو مختلف اسناد سے روایت کرتا ہے اور کبھی راویوں کی ایک جماعت اضطراب پیدا کر دیتی ہے کہ ایک ہی حدیث کو مختلف اسناد سے روایت کرتے ہیں۔

فائدہ: مضطرب حدیث کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ راوی کا حافظہ مضبوط نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس سے گڑبڑ ہو رہی ہے۔

فائدہ: اس فن کی مشہور کتابوں میں سے: "المقترب فی بیان المضطرب" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

متن میں ادراج

متن میں ادراج کی تعریف:

"أن يُدخِلَ أحدُ الرُّوَاةِ فِي الحَدِيثِ كَلامًا مِنْ عِنْدِه بدون بَيانٍ' إما تَفْسِيرًا لِكَلِمَةٍ أو اِسْتِنْبَاطًا لِحُكْمٍ أَوْ بَيَانًا لِحِكْمَةٍ."[1]

"کوئی ایک راوی اپنی طرف سے بغیر کسی وضاحت کے حدیث میں کلام داخل کردے' (ایسا یا تو) کسی کلمہ کی تفسیر میں ہوگا یا کسی حکم کا استنباط ہوگا اور کبھی کسی حکمت کے بیان کے لیے ہوگا۔"

ادارج کی جگہ:

ادراج کبھی حدیث کے شروع میں ہوتا ہے، کبھی درمیان اور کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے۔

شروع حدیث کی مثال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

((- أسبغوا الوضوء - ويل للأعقاب من النار.))۔

"(اچھی طرح وضوء کرو) خشک ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔"

ان کا کہنا: "أسبغوا الوضوء" یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام سے مدرج ہے۔ اسے بخاری کی روایت واضح کرتی ہے' کہ آپ نے کہا:

((- أسبغوا الوضوء - فإن أبا القاسم ﷺ قال: ((ويل

---

[1] ادراج کی دو اقسام ہیں: مدرج المتن اور مدرج السند ۔مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں پر مدرج السند کا ذکر نہیں کیا؛ صرف مدرج المتن کی تفصیل بیان کی ہے۔ مدرج السند وہ حدیث ہے جس کی سند کے سیاق میں تبدیلی کردی گئی ہو۔

لِّلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ .)) ❶

''(اچھی طرح وضوء کرو)، بیشک ابو القاسم ﷺ فرماتے ہیں: (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔''

وسطِ حدیث کی مثال: رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی شروع ہونے کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے' جس میں وہ فرماتی ہیں:

((وكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه ـ وهو التعبد ـ الليالي ذوات العدد .)) ❷

''آپ ﷺ غارِ حراء میں خلوت نشین ہوتے اور کئی راتوں تک اس میں بندگی (عبادت) کرتے رہتے۔''

یہ الفاظ: ''(وهو التعبد) امام زہری رحمہ اللہ کی طرف سے ادراج ہے۔ جسے ان ہی کی سند سے بخاری کی ایک اور روایت ظاہر کرتی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:

((وكان يلحق بغار حراء فيتحنث فيه-قال:والتحنث التعبد) الليالي ذوات العدد .))

آخر حدیث کی مثال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن أمتي يدعون يوم القيامة غراً محجلين من آثار الوضوء ـ

---

❶ رواه البخاري (٥٦١) كتاب الوضوء'٢٩- باب غسل الأعقاب ـ ومسلم(٢٤٢) كتاب الطهارة '٩ باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما وفيه كلام أبي هريره رضي الله عنه مميزاً عن كلام رسول الله ﷺ ـ

❷ رواه البخاري (٣) كتاب الوضوء'3- باب غسل الأعقاب ـ و مسلم (١٦٠) ويعد (٢٥٢) كتاب الطهارة '٧٣باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما ـ والرواية المفصلة عند البخاري (٤٩٥٣) كتاب التفسير'٩٦- باب سورة العلق ـ فتح الباري (٨/ ٧١٧) .

فمن استطاع أن يطليل غرته فليفعل .)) ❶

"میری امت قیامت والے دن وضو کے نشانات کی وجہ سے پانچ کلیانے گھوڑوں کی طرح بلائے جائیں گے۔ پس جو کوئی اس بات کی طاقت رکھتا ہو کہ وہ ان نشانات کو بڑھائے تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور ایسا کرے۔"

راوی کا کلام: " فمن استطاع أن يطليل غرته فليفعل " یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام سے مدرج ہے۔ جس کے روایت کرنے میں نعیم بن مجمر منفرد ہے۔ "مسند" میں انہی سے مروی ہے:

" مجھے معلوم نہیں کہ: " فمن استطاع ...... " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے یا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا۔ کئی حفاظِ حدیث نے یہ واضح کیا ہے کہ یہ کلام مدرج ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کلام کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہو۔"

ادراج کا حکم کب لگایا جائے گا؟

دلیل کے بغیر ادراج کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ ادراج کی وضاحت بذیل امور سے ہوتی ہے:

- خود راوی کے کلام سے اس کی وضاحت ہوتی ہو۔
- اس فن کے کسی معتبر امام کی وضاحت ہو۔
- مدرج ایسا کلام ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا محال ہو۔

❶ رواه البخاري (١٣٦) كتاب الوضوء٣- باب فضل الوضوء؛ والغر المحجلون من آثار الوضوء۔ و مسلم (٢٤٦) كتاب الطهارة١٢ باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء۔ والرواية عند أحمد في مسنده (٢/ ٣٣٤/ ٨٣٩٤)۔ وانظر "العلل للدار قطني (٨/ ١٧٠/سوال ١٤٨٨)۔

حدیث میں اضافہ

حدیث میں اضافہ کی تعریف:

"أَنْ يُضِيفَ أَحَدُ الرُّوَاةِ إِلَى حَدِيثٍ مَا لَيْسَ مِنْهُ."

''کوئی ایک راوی حدیث میں ایسی چیز زیادہ کردے جو اس میں سے نہیں۔''

حدیث میں زیادتی کی دو اقسام ہیں:

① یہ زیادتی ادراج کی قبیل سے ہو، یعنی جس میں کوئی راوی اپنی طرف سے کوئی چیز اس طرح زیادہ کردے، جس سے گمان ہو کہ یہ کلام بھی اس حدیث میں سے ہے۔

اس کا حکم بیان ہو چکا ہے۔

② بعض راوی اسے ایسے بیان کریں گویا کہ وہ اسی حدیث کا حصہ ہے۔

اگر یہ زیادتی غیر ثقہ کی طرف سے ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کی وہ روایت بھی قبول نہیں کی جاتی جس میں وہ منفرد ہو؛ پس جو چیز اس نے زیادہ کی ہو وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اسے رد کردیا جائے۔

اگر یہ زیادتی ایسے ثقہ کی طرف سے ہو جس کی روایت قبول کی جاتی ہے، تو (دیکھیں گے) اگر وہ ایسے راوی کی روایت کے مخالف ہو جو اس سے زیادہ کثرت کیساتھ روایت کرنے والا ہے یا اس سے زیادہ ثقہ ہے تو اس روایت کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اس کی یہ روایت شاذ سمجھی جائے گی۔

اس کی مثال: موطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ:

''بے شک جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک

اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس سے تھوڑا کم اونچا کرتے۔" ❶

امام ابو داود رحمہ اللہ "سنن" میں فرماتے ہیں: "میرے علم کے مطابق "اس سے تھوڑا کم اونچا کرتے" یہ الفاظ امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ کسی اور نے ذکر نہیں کیے۔"

جب کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح مرفوع روایت میں ثابت ہے کہ:

"بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر کر دیتے، (ایسا آپ) جب نماز شروع کرتے تو بھی کرتے، جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے۔" بغیر کسی تفریق کے ایسے کیا کرتے۔" ❷

اگر یہ زیادتی دوسرے راوی کے روایت کے منافی نہ ہو تو اسے قبول کیا جائے گا کیونکہ اس میں زیادہ علم ہے۔ اس کی مثال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((ما منكم من أحد يتوضأ فيبلغ الوضوء أو يسبغ الوضوء، ثم يقول: أشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لاشريك له، وأن محمداً عبده ورسوله، إلا فتحت له أبواب الجنة الثمانية يدخل من أيها شاء.)) ❸

"تم میں سے کوئی ایک ایسا نہیں ہے، جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو

---

❶ رواه امام مالك في الموطأ (١٦٣) كتاب الصلاة' ٤۔ باب افتتاح الصلاة۔ وقول أبي داؤد ذكره في السنن" كتابَ الصلاة' باب- افتتاح الصلاة (٧٤٢).

❷ رواه البخاري (٧٣٥) كتاب الأذان' ٨٣۔ باب رفع اليدين في التكبيرة الأولى مع الإفتتاح سواء۔ ومسلم (٣٩٠) كتاب الصلاة' ٤۔ باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام و الركوع وفي الرفع من الركوع؛ وأنه لا يفعله إذا رفع من السجود۔

❸ ومسلم (٢٣٤) كتاب الطهارة' ٦ باب الذكر المستحب عقب الوضوء۔

کرتا ہے، یا وضو کو پورا پورا کرتا ہے، اور پھر کہتا ہے:" أشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لاشريك له، وأن محمداً عبده ورسوله . " میں گواہی دیتا ہوں، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، مگر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس سے چاہے داخل ہو جائے۔"

امام مسلم نے اسے دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ایک میں (وحده لاشريك له) کے بعد یہ الفاظ زیادہ ہیں: " واشهد أنّ"

حدیث کا اختصار

تعریف:

" أَنْ يَحْذِفَ رَاوِيهِ أَوْ نَاقِلُه شَيْئًا مِنْه . "

"حدیث کا راوی یا ناقل اس میں سے کچھ حذف کردے۔"

حکم:

اختصارِ حدیث صرف پانچ شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

① یہ اختصار معنی حدیث میں خلل نہ ڈالے؛ جیسے استثناء، غایت، حال، شرط یا اس طرح کے امور۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین ہیں:

" لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل "❶ ،

"سونا سونے کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر۔"

"لا تبيعوا الثمر حتى يبدو صلاحه " ❷ ،

"پھل نہ بیچو یہاں تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر ہو جائے۔"

" لا يقضين حكمٌ بين اثنين وهو غضبان " ❸

---

❶ رواه البخاري (٢١٧٧) كتاب البيوع' ٧٨- باب بيع الفضة بالفضة۔ومسلم (١٥٧٤) كتاب المساقاة' ١٤ باب الربا .

❷ رواه البخاري (٢١٨٣) كتاب البيوع' ١٣- باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها بغير شرط البيع .

❸ رواه البخاري (٧١٥٨) كتاب الأحكام' ١٣- باب غسل هل يقضي القاضي وهو غضبان ؟۔ و مسلم (١٧١٧) كتاب الأقضية' كراهة قضاء القاضي وهو غضبان۔

”فیصلہ کرنے والا دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔“

”نعم إذا هي رأت الماء .“ ❶

”ہاں جب وہ پانی دیکھے۔“ یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جسے احتلام ہو جائے‘ کیا وہ غسل کرے گی؟“

”لا يقل أحدكم اللهم اغفر لي إن شئت .“ ❷

”اور تم میں سے کوئی ایک یہ نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے۔“

” الحج المبرور ليس له الجزاء إلا الجنة .“ ❸

”حج مبرور کا بدلہ جنت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔“

ان احادیث سے یہ جملے حذف کرنا جائز نہیں ہے:

” إلا مثلاً بمثل “، ” حتى يبدو صلاحه “، ” وهو غضبان “ ،

”إذا هي رأت الماء “ ، ”إن شئت “، ” المبرور .“

کیونکہ ان کا حذف کرنا معنی میں خلل ڈالتا ہے۔

② اس موضوع کو حذف نہ کرے جس کی وجہ سے حدیث وارد ہوئی ہے، جیسا کہ حضرت

❶ رواه الترمذي (١٢٢) كتاب الطهارة ٩٠ ، باب ما جاء في المرأة ترى في المنام مثل ما يرى الرجل؛ من حديث أم سلمة ـ وهو في البخاري (٢٨٢) كتاب الغسل‘ ٢٢ - باب إذا احتلمت المرأة ـ ومسلم (٢١٢) كتاب الحيض‘ باب وجوب غسل على المرأة بخروج المني منها ـ

❷ رواه البخاري (٦٣٣٩) كتاب الدعوات‘ ٢١ - باب ليعزم فإنه لا مكره له ـ ومسلم (٢٦٧٨) كتاب الذكر والدعاء‘ ٣ باب العزم بالدعاء؛ ولا يقل: إن شئت ـ

❸ رواه أحمد (٣/ ٣٢٥/ ١٤٥٢٢) والطبراني (٨/ ٢٠٣/ ٨٤٠٥)؛ من [المعجم الوسيط] من حديث جابر رضى الله عنه ـ وقال الهيثمي في [المجمع الزوائد (٣/ ٢٠٧)] اسناده حسن ـ وهو في البخاري (١٧٧٣) كتاب العمرة‘ ١ - باب وجوب العمرة وفضله . ومسلم (١٣٤٩) كتاب الحج‘ ٧٩ باب فضل الحج والعمرة‘ ويوم عرفة .

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

''ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم لوگ سمندر میں سفر کرتے ہیں، اور ہمارے ساتھ تھوڑا پانی ہوتا ہے' اگر ہم اس سے وضوء کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں۔ تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضوء کرلیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هو الطهور ماؤه الحل ميتته .)) ❶

''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''

ایسے موقع پر "هو الطهور ماؤه" کو حذف کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث کی شان ورود یہی ہے اور حدیث سے اصل مقصود بھی یہی ہے۔

③ حدیث قولی یا فعلی عبادت کی صفت میں وارد نہ ہو، جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو کہے:

((التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله .)) ❷

'' تمام قولی عبادتیں، تمام فعلی عبادتیں، تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے

---

❶ رواه مالك (١/ ٢٢/ ٤١) كتاب الطهارة' ٣۔ باب الطهور للوضوء۔وأبو داؤد (٨٣) كتاب الطهارة والدعاء' ٤١ باب الوضوء بماء البحر۔"و الترمذي (٦٩) كتاب الطهارة' ٥٢- بـاب ما جاء في ماء البحر أنه طهور . وقال: حسن صحيح۔والنسائي (١/ ٥٠/ ٥٩) كتاب الطهارة' ٤٧ ۔باب ماء البحر . و ابن ماجة (٣٨٦) كتاب الطهارة وسننها' ٣٦۔ باب الوضوء بماء البحر'

❷ رواه البخاري (٨٣١) كتاب الأذان' ١٤٨- باب التشهد في الآخرة۔ومسلم (٤٠٢) كتاب الصلاة - ' ١٦ باب التشهد في الصلاة۔"

ہیں۔اے نبی آپ پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود اللہ کے سوا عبادت کے لائق نہیں ، وہ اکیلا ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں ، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' [1]

پس اس حدیث کی بیان کردہ مشروع صفت سے بغیر اشارہ کیے حذف کرنا جائز نہیں۔

④ حدیث کا اختصار کرنے والا ایسا عالم ہو جو الفاظ کے مدلولات کو جانتا ہو نیز یہ بھی جانتا ہو کہ کس کا حذف کرنا معنی میں خلل ڈالے گا اور کس کا حذف معانی میں خلل نہیں ڈالے گا، تاکہ غیر شعوری طور پر ایسے الفاظ کو حذف نہ کرے جس سے معنی میں خلل واقع ہو۔

⑤ یہ حذف کرنے والے راوی پر کوئی تہمت نہ ہو، اس لیے کہ اگر تہمت والا راوی حذف کرے گا تو اس پر سوء حفظ کا گمان ہوگا، اگر وہ اسے تمام بیان کرے گا تو اس پر حدیث میں اضافہ کرنے کا گمان ہوگا۔ کیونکہ اس حال میں حدیث میں اس کا تصرف کرنا اس کی حدیث کے قبول کرنے میں تردد کا باعث ہوگا' اس وجہ سے اس کی حدیث ضعیف شمار ہوگی۔

اس شرط کا موقع محل وہ کتب ہیں جو غیر مدون یا غیر معروف ہوں؛ کیونکہ اس تردد کو ختم کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

جب یہ شروط پوری ہو جائیں تو حدیث میں اختصار کرنا جائز ہوگا اور خصوصاً اس کی تقطیع کرنا تاکہ ان میں سے ہر ایک جز سے اس کے موقع محل کے حساب سے استدلال کیا جا سکے۔ اور ایسا بہت سے فقہاء و محدثین نے کیا ہے۔

بہتر یہی ہے کہ اختصار کرتے وقت اشارہ کر دے کہ اس حدیث میں اختصار کیا گیا ہے' اس کے لیے ایسے کہے: ......إلی آخر الحدیث ، یا پھر کہے: ......ذكر الحديث نحوه

---

[1] التحیات مختلف صیغوں اور الفاظ میں ثابت ہے' لیکن مشہور اور عام الفاظ یہی ہیں۔

حدیث کی روایت بالمعنی

تعریف:

"نَقْلُهُ بِلَفْظٍ غَيْرَ لَفْظِ الْمَرْوِيِّ عَنْهُ".

''وہ حدیث: جسے راوی مروی عنہ کے الفاظ سے ہٹ کر روایت کرے۔''

حکم:

روایت بالمعنی صرف تین شروط کے ساتھ جائز ہے:

① اس حدیث کے لغوی معنی پر اور مروی عنہ کی مراد سے واقف ہو۔

② روایت بالمعنی کی ضرورت پیش آ جائے، مثال کے طور پر راوی حدیث کے الفاظ بھول گیا ہے، مگر معنی ومراد اسے یاد ہے۔ اگر اسے الفاظ حدیث بھی یاد ہوں تو اس صورت میں الفاظ کو بدلنا جائز نہیں ہے؛ ہاں اگر لوگوں کو سمجھانا مقصود ہو تو الگ بات ہے۔

③ حدیث کے ایسے الفاظ نہ ہوں جن کو پڑھ کر عبادت کی جاتی ہو؛ جیسا کہ اذکار وغیرہ۔

جب کوئی اسے بالمعنی روایت کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے بعد ایسا لفظ کہے جس سے یہ احساس ہو کہ یہاں الفاظ میں تبدیلی ہے۔ مثلاً یوں کہے: " أو كما قال " یا اس طرح کے دیگر الفاظ۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کے قصہ میں بیان کیا ہے جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔ فرمایا: ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو بلایا اور کہا:

((إنما هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، وإنما هي لذكر الله عزوجل و الصلاة وقرأة القرآن" ❶ أو كما قال ﷺ۔))

" بے شک یہ مساجد پیشاب اور گندگی میں سے کسی چیز کے لیے مناسب نہیں ہیں' بیشک مساجد اللہ کے ذکر' نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہیں۔"

جبکہ معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، انہوں نے لاشعوری طور پر نماز میں بات کر دی تھی۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھ لی تو ان سے کہا:

((إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس ' إنما هو التسبيح و التكبير ' وقرأة القرآن". أو كما قال ﷺ۔)) ❷

" بیشک ان نمازوں میں لوگوں کے کلام میں کچھ بھی جائز نہیں ہے۔ بیشک (ان نمازوں) میں تسبیح اور تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے۔"

❶ رواه البخاري (٢٢٠) كتاب الوضوء' ٥٨- باب صب الماء على البول في المسجد. ومسلم (٢٥٨) كتاب الطهارة -3 باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات إذا جعلت في المسجد".

❷ ومسلم (٥٣٧) كتاب المساجد' ٧ باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان إباحته۔"

موضوع

موضوع کی تعریف:

((اَلْحَدِيْثُ الْمَكْذُوْبِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .))

''نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھی گئی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔''

موضوع کا حکم:

یہ حدیث مردود (نا قابل قبول) ہے۔ اس کا بیان کرنا جائز نہیں ہے' صرف اس صورت میں کہ ساتھ ہی اس کا جھوٹ ہونا بھی بیان کر دیا جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے ڈرایا ہے، فرمایا:

((مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيْثٍ يَرَى أَنَّهُ كِذْبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ .)) [1]

''جس نے مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے' وہ تو وہ بھی ان جھوٹوں میں سے ایک ہے۔''

موضوع حدیث کی پہچان کیسے ہوگی؟

موضوع [من گھڑت] حدیث کی پہچان تین باتوں سے ہو سکتی ہے:

1: حدیث گھڑنے والا خود اس کا اقرار کر لے۔

2: حدیث غیر معقول ہو، جیسا کہ اس میں دو الٹ چیزوں کو جمع کیا گیا ہو یا کسی ایسی چیز کا اثبات ہو' جس کا ہونا محال ہو' یا واجب کے وجود کا انکار ہو۔

[1] ومسلم في مقدمة [صحيحه] ١ باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذابين والتحذير من الكذب على رسول الله (بدون رقم) من حديث سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة۔''

3: دین میں [معروف] ثابت شدہ ضروری چیزوں کی مخالفت ہو۔ مثال کے طور پر: ارکان اسلام میں سے کسی رکن کو ساقط کیا جائے، سود کو حلال کیا جائے، قیامت کے قائم ہونے کا وقت متعین کیا جائے، رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کا جواز ہو یا ان جیسی کوئی اور حدیث [بنا کر پیش کی گئی ہو]۔

موضوع احادیث کا کچھ تعارف اور اس فن کی کتب۔

1. رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کی احادیث۔
2. ماہِ رجب کے فضائل اور اس میں نماز کی خصوصیات کی احادیث۔
3. موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی خضر علیہ السلام کی زندگی کی احادیث اور یہ کہ آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور تدفین کے وقت حاضر ہوئے تھے۔
4. مختلف ابواب میں وارد ہونے والی احادیث' ان میں سے کچھ یہ ہیں:

((أحبوا العرب لثلاث: لأني عربي ، والقرآن عربي، و لسان أهل الجنة عربي .)) [1]

''اہل عرب سے تین وجوہات کی بنا پر محبت کرو: میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے، اور اہل جنت کی زبان عربی ہے۔''

❀......((اختلاف أمتي رحمة .)) [2]

''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔''

❀......" اعمل لدنياك كأنك تعيش أبداً، واعمل لآخرتك كأنك تموت غداً . " [3]

''اپنی دنیا کے لیے ایسے کام کرو گویا کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے

---

1. قال العقيلي في[الضعفاء] (٣/ ٣٤٨) منكر لا أصل له۔
2. أنظر:[كشف الخفاء] (١٥٣).
3. أنظر "سلسلة الأحاديث الضعيفة"(٨).

ایسے کام کرو گویا کہ کل مرجانا ہے۔"

❀...... "حب الدنيا رأس كل خطيئة ." ❶

"دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔"

❀...... "حب الوطن من الإيمان ." ❷

"وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔"

❀......"خير الأسماء من حمد و عبد ." ❸

"بہترین نام وہ ہیں جن میں حمد اور بندگی ہو۔"

❀...... " نهى عن بيع و شرط ." ❹

"آپ نے بیع اور شرط سے منع کیا۔"

❀...... " يوم صومكم يوم نحركم ." ❺

"تمہارے روزہ کا دن تمہاری قربانی کا دن ہے۔"

اس فن کی کتب:

علماء حدیث سنت کے دفاع اور لوگوں کو ان خرافات سے بچانے کے لیے موضوع احادیث کے بیان میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر:

❶: "الموضوعات الكبرى" ابن جوزی رحمہ اللہ متوفی سن 597ھ نے لکھی ہے، لیکن وہ ان تمام احادیث کو جمع نہ کر سکے نیز ان میں وہ احادیث بھی داخل ہوگئیں جو موضوعات میں سے نہیں تھیں۔

❷: "الفوائد المجموعة في الأحاديث المرفوعة" علامہ شوکانی رحمہ اللہ متوفی

❶ أنظر: [كشف الخفاء] (١٠٩٩).

❷ أنظر: [كشف الخفاء] (١١٠٢).

❸ أنظر: [كشف الخفاء] (١٢٤٥).

❹ أنظر: الغماز (٣١٣)۔(٤٩١)۔ والسلسلة الضعيفة.

❺ أنظر: [تمييز الطيب من الخبيث] (١٦٩٥/٢٢٣).

سن 1250ھ نے لکھی ہے، اس میں بھی تساہل ہو گیا ہے اور اس میں وہ احادیث داخل کر دی ہیں جو موضوعات میں سے نہیں تھیں۔

3: "تنزیه الشریعة المرفوعة من الأخبار الشنیعة الموضوعة" ابن عراقی متوفی سن 963ھ نے لکھی ہے' یہ اس فن میں سب سے جامع کتاب ہے۔

حدیث وضع کرنے والوں کی اقسام:

حدیث وضع کرنے [گھڑنے] والے بہت زیادہ ہے؛ ان کے بڑے بڑے مشہور سرغنہ لوگوں میں اسحاق بن نجیح الملطی۔ مأمون بن مہدی الهروی۔ محمد بن سائب کلبی، المغیرۃ بن سعد الکوفی، مقاتل بن أبي سلیمان، الواقدی اور ابن ابی یحییٰ قابل ذکر ہیں۔

ان لوگوں کی اقسام:

ان لوگوں کی کئی اقسام ہیں:

❁ زنادقہ:

جو مسلمانوں کے عقیدہ میں فساد پھیلانا، اسلام کی شکل وصورت کو مسخ کرنا اور احکام شریعت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ محمد بن سعید المصلوب جسے ابو جعفر منصور نے قتل کیا تھا۔ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث گھڑی تھی:

((أنا خاتم النبیین لا نبي بعدي إلا أن یشاء الله .)) [1]

"میں خاتم النّبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' سوائے اس کے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔"

اسی طرح عبدالکریم بن أبي العوجاء جسے ایک عباسی خلیفہ نے بصرہ میں قتل کیا تھا، جب اسے قتل کے لیے لایا گیا تو اس نے کہا:

---

[1] ذکره الذهبي في[المغني من الضعفاء] (٢/ ٥٨٥/ ت٥٥٥٣) وانظر: تدریب الراوي (١/ ٢٨٤)؛ والمنهل الروي (٥٤) لابن الجماعة.

''میں نے چار ہزار احادیث گھڑ کر تم میں پھیلائی ہیں، جن میں میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا ہے۔'' ❶

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زندیقوں نے نبی کریم ﷺ پر چودہ ہزار احادیث گھڑ کر پھیلائی تھیں۔

خلفاء وامراء کے حواری (حاشیہ نشین):

غیاث بن سعید خلیفہ مہدی کے گھر میں داخل ہوا تو وہ کبوتر سے کھیل رہا تھا۔ اس سے کہا گیا: ''امیر المؤمنین کے لیے کوئی حدیث بیان کرو۔'' اس نے ایک سند پیش کی اور نبی کریم ﷺ پر یہ حدیث گھڑی:

"لا سبق إلا في خف أو نصل أو حافر أو جناح." ❷

''کوئی مسابقت (مقابلہ بازی) نہیں ہے' سوائے گھوڑے، تیر، اونٹ اور پرندے کے۔''

یہ سن کر مہدی نے کہا: ''میں نے اسے آزمانے کے لیے ایسے کیا تھا' پھر کبوتر چھوڑ دیا اور اسے ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔

عوام میں مقبولیت کی چاہت:

عجیب وغریب روایات بیان کر کے عوام میں مقبولیت چاہنے والے لوگ ایسا یا تو ترغیب وترہیب کے لیے کرتے ہیں' یا مال ومرتبہ کی تلاش میں ایسا کرتے ہیں۔ ایسے قصہ گو لوگ مساجد اور محافل میں ایسی حکایات بیان کرتے ہیں جن کے عجیب وغریب ہونے کی

---

❶ قصة ابن أبي العوجاء تنظر في تدريب الراوي أيضاً۔

❷ أنظر [تاريخ البغداد] (١٣/ ٤٨٦) و[تفسير الطبري] (١/ ٨٠) و (٩/ ١٤٧). والتمهيد لابن عبد البر (١٤/ ٩٤)۔ والمنار المنيف لابن القيم (١٠٦/ ١٩٩) و (١٠٧/ ٢٠١) وجعلوا القصة لوهب بن وهب مع الرشيد۔ وانظر: ترجمة غياث من [ميزان الاعتدال في نقد الرجال] (٥/ ٤٠٦) للحافظ الذهبي ولسان الميزان لابن حجر (٤/ ٤٢٢) وتاريخ بغداد (١٢/ ٣٢٤). اصل حدیث "لا سبق إلا في خف أو نصل أو حافر" امام ابوداؤد نے باب السبق (٢٥٧٤) میں اور امام بیہقی نے سنن کبری (١٩٥٣٣) میں ذکر کی ہے۔

وجہ سے ایک دہشت سی طاری ہو جاتی ہے۔

یہ قصہ منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ نے ایک مسجد میں نماز پڑھی، ایک قصہ گو کھڑا ہو گیا اور قصہ بیان کرنے لگا۔ اس نے کہا: ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ نے بیان کیا...... پھر اس کی پوری سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی اور کہا: بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من قال لاإله إلا الله خلق الله له من كل كلمة طير أ منقاره من ذهب ، وريشه من مرجان .)) ❶

''جس انسان نے لا إلـه إلا اللّٰه کہا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر کلمہ کے بدلے ایک پرندہ پیدا کرتے ہیں، جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور پر مرجان کے ہوتے ہیں۔''

جب وہ قصے بیان کر کے فارغ ہوا اور لوگوں سے عطیات لے لیے تو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے اسے اشارہ کیا' اس نے سمجھا کچھ دینا چاہتے ہیں' وہ ان کے پاس آ گیا تو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس سے کہا: ''تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟

اس نے کہا: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ نے۔

انہوں نے کہا: میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ رحمہما اللہ۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ کبھی بھی نہیں سنی۔

(یہ سن کر) قصہ گو کہنے لگا: ''میں آج تک سنتا آ رہا تھا کہ یحییٰ بن معین بیوقوف آدمی ہے، آج مجھے اس وقت اس کی تصدیق ہو گئی ہے۔ کیا تم دو کے علاوہ کوئی یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہے ہی نہیں۔ میں نے سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ سے روایات لکھی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنا آستین اس کے چہرے پر رکھ دیا اور فرمایا: چھوڑو! اسے جانے

❶ انظر : [تفسير القرطبي] (١/ ٨٠) . وتهذيب الكمال (٣١/ ٥٥٨) . و[الجامع لآداب الراوي وأخلاق السامع] (٢/ ١٦٨/ ١٠٠٥) .

دو۔ چنانچہ وہ وہاں سے ایسے اٹھ کھڑا ہوا گویا کہ وہ ان دونوں کا مذاق اڑا رہا ہو۔

دینی جذبہ:

یہ لوگ فضائل اسلام، دنیا سے زہد اور اس طرح کی دیگر احادیث گھڑتے ہیں۔ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ دین کی طرف پلٹ آئیں اور دنیا سے زہد اختیار کریں۔ جیسے ابوعصمہ نوح بن مریم قاضی مرو، اس نے ایک ایک قرآنی سورت کے فضائل میں احادیث گھڑی ہیں اور کہا ہے:'' میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے منہ موڑ کر فقہ ابی حنیفہ رحمہ اللہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ کی ''مغازی'' میں مشغول ہو گئے ہیں' اس لیے میں نے ایسا کیا۔

تعصب:

خواہ یہ تعصب مذہبی ہو یا علاقائی یا پھر مسلکی یا قبائلی۔ چنانچہ وہ اپنے تعصب کی تائید میں احادیث گھڑتے ہیں، جیسے میسرہ بن عبد ربہ جس کا اقرار تھا کہ اس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ستر احادیث گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہیں۔

جرح وتعدیل

جرح

❶: جرح کی تعریف ❷: جرح کی اقسام

❸: جرح کے مراتب ❹: جرح کی قبولیت کی شرائط

(1) جرح کی تعریف:

" أَنْ يُـذْكَرَ الرَّاوِي بِمَا يُوْجِبُ رَدَّ رِوَايَتِهِ مِنْ إِثْبَاتِ صِفَةِ رَدٍّ أَوْ نَـفْيِ صِفَةِ قُبُولٍ . مِثْلَ أَنْ يُقَالَ : كَذَّابٌ أَوْ فَاسِقٌ أَوْ ضَعِيْفٌ أَوْ لَيْسَ بِثِقَةٍ أَوْ لاَ يُعْتَبَرُ أَوْ لاَ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ . "

" راوی کی ایسی صفات ذکر کرنا جن سے اس کی حدیث کا رد کرنا لازم آتا ہو، یا تو رد کی کوئی صفت ثابت کی جائے یا کسی قبول کی صفت کی نفی کی جائے۔ مثال کے طور پر اس کے متعلق کہا جائے: ''کذاب، فاسق، ضعیف، لیس بثقة، [لا یعتبر (اس کا کوئی اعتبار نہیں)] یا [لا یکتب حدیثه (اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی)۔''

(2) جرح کی اقسام:

جرح دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے:

مطلق ...... : أَنْ يُـذْكَـرَ الرَّاوِي بَالْجَرْحِ بِدُوْنِ تَقْيِيْدٍ فَيَكُوْنُ قَادِحاً فِيْهِ بِكُلِّ حَالٍ .

''راوی بغیر کسی قید کے جرح کو ذکر کرے تو یہ جرح ہر حال میں قادح ہوگی۔''

مقید: "أَنْ يَذْكُرَ الرَّاوِي بِالْجَرْحِ بِالنِّسْبَةِ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ مِّنْ شَيْخٍ أَوْ طَائِفَةٍ أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ فَيَكُونُ قَادِحاً فِيهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى ذٰلِكَ الشَّيْءِ الْمُعَيَّنِ مِنْ دُوْنِ غَيْرِهِ."

"یہ کہ راوی کسی وجہ سے قید کے ساتھ جرح کرے۔ یہ وجہ خواہ شیخ ہو یا طائفہ یا اس طرح کا کوئی دیگر سبب۔ چنانچہ اس صورت میں یہ جرح مذکورہ سبب میں ہی معتبر ہوگی، اس کے علاوہ نہیں۔"

اس کی مثال: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب "تقریب" میں زید بن حباب رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں: ان سے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے، سچا ہے، مگر ثوری رحمہما اللہ سے حدیث بیان کرنے میں غلطی کر جاتا ہے۔ سو اس بنا پر اسے ثوری سے روایت کی جانے والی احادیث میں ضعیف سمجھا جائے گا، دوسروں کی روایات میں نہیں۔

- صاحبِ "خلاصہ" نے اسماعیل بن عیاش کے بارے میں کہا ہے کہ امام اسے احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، بخاری اور مسلم رحمہم اللہ نے اہل شام سے روایت کرنے میں ثقہ اور اہل حجاز سے روایت کرنے میں ضعیف کہا ہے۔ سو اس صورت میں اس کی حدیث اہل حجاز سے ہی ضعیف مانی جائے گی، جب کہ باقی لوگوں سے اس کی روایت ثقہ ہوگی۔
- اس کی ایک اور مثال: جب کہا جائے: فلاں راوی احادیث صفات میں ضعیف ہے تو وہ اس کے علاوہ دوسری روایات میں ضعیف نہیں ہوگا۔

لیکن اگر جرح سے مقصود اس مقید میں اس کی توثیق کے دعوی کو ختم کرنا ہو تو یہ اس بات میں مانع نہیں کہ وہ اس کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی ضعیف ہو۔

(ج): جرح کے مراتب:

اعلیٰ ترین مرتبہ: وہ الفاظ جو انتہائی مبالغہ پر دلالت کرتے ہوں، جیسے: أکذب الناس [لوگوں میں سب سے بڑھ کر جھوٹا] کہا جائے: "رکن الکذب" [جھوٹ کا رکن]۔

پھر اس کے بعد وہ الفاظ ہیں جو مبالغہ پر دلالت کرتے ہوں؛ جیسے کذاب، وضاع اور دجال کہہ دینا۔

آسان مرتبہ: "لین" [نرم رویہ رکھنے والا]، سيء الحفظ [خراب حافظہ والا] یا کہا جائے: "فیه مقال: [اس میں کلام کیا گیا ہے]۔

ان کے مابین مراتب معلوم شدہ ہیں۔

(4) جرح قبول ہونے کی شرائط:

جرح کے قبول ہونے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

1. جرح کرنے والا عادل ہو' فاسق کی جرح قبول نہیں ہوگی۔
2. جرح کرنے والا بیدار مغز اور چوکنا عالم ہو' غافل کی جرح قبول نہیں ہوگی۔
3. جرح کرنے والا جرح وقدح کے اسباب سے واقف ہو، جو قدح والے امور کو نہیں جانتا اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی۔
4. جرح کا سبب بیان کرے، مبہم جرح کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر اتنی ہی بات کہے کہ: ''ضعیف ہے، یا اس کی حدیث رد کی جاتی ہے۔ (تو یہ جرح) قبول نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ وہ اس کا سبب بیان کرے، کیونکہ کبھی وہ ایسے سبب پر جرح کرسکتا ہے جس پر جرح نہیں کی جاسکتی۔ یہی مشہور قول ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطلق جرح کو بھی قبول کرتے ہیں سوائے ان اشخاص کے جن کی عدالت معلوم ہو' ان کے متعلق جرح کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ اس کا سبب بیان کردیا جائے۔

یہی قول راجح ہے۔

۵: یہ جرح ایسے عالم کے متعلق نہ ہو جس کی عدالت پر تواتر آرہا ہو' یا جس کی امامت مشہور ہو، جیسا کہ نافع' مالک' شعبہ' بخاری رحمہم اللہ۔ ان لوگوں کے متعلق جرح قبول نہیں کی جائے گی۔

تعدیل

1: تعدیل کی تعریف　　2: تعدیل کی اقسام

3: تعدیل کے مراتب　　4: قبولیتِ تعدیل کی شروط

(1) تعدیل کی تعریف:

"أَنْ يُذْكَرَ الرَّاوِي بِمَا يُوْجِبُ قُبُوْلَ رِوَايَتِهِ مِنْ إِثْبَاتِ صِفَةِ قُبُوْلٍ أَوْ نَفْيِ صِفَةِ رَدٍّ . مِثْلَ أَنْ يُقَالَ: هو ثقةٌ أَوْ ثبتٌ أَوْ لاَ بَأْسَ بِهِ أَوْ لاَ يُرَدُّ حَدِيْثُهُ ."

"یہ کہ راوی کا ذکر ان الفاظ میں کیا جائے جن سے اس کی روایت کا قبول کرنا لازم آتا ہو۔ اس میں صفات قبول کو ثابت کیا جائے یا رد کی صفات کی نفی کی جائے۔ مثال کے طور پر کہا جائے: هو ثقة [وہ ثقہ راوی ہے] "ثبت" [ثابت ہے] یا کہا جائے: " لا بأس به [اس سے روایت لینے میں حرج نہیں]۔ یا یہ کہ: " لا یرد حدیثه [اس کی حدیث رد نہیں کی جاسکتی]۔"

(2) تعدیل کی اقسام

تعدیل کی دو قسمیں ہیں:

(1) **مطلق**......: "أَنْ يُذْكَرَ الرَّاوِي بَالتَّعْدِيْلِ بِدُوْنِ تَقْيِيْدٍ فَيَكُوْنُ تَوْثِيْقاً لَهُ بِكُلِّ حَالٍ ."

"بغیر کسی قید کے راوی کی تعدیل کی جائے تو اس کی یہ توثیق ہر حال میں مقبول ہوگی۔"

(2) **مقید**......: "أَنْ يُذْكَرَ الرَّاوِي بَالتَّعْدِيْلِ بِالنِّسْبَةِ لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ مِّنْ شَيْخٍ أَوْ طَائِفَةٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ فَيَكُوْنُ تَوْثِيْقاً لَهُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى ذَلِكَ الشَّيْءِ الْمُعَيَّنِ مِنْ دُوْنِ غَيْرِهِ ."

"راوی کسی وجہ سے قید کے ساتھ توثیق کرے۔ یہ وجہ خواہ شیخ ہو یا طائفہ یا پھر

اس طرح کا کوئی دیگر سبب۔ چنانچہ اس صورت میں یہ توثیق مذکورہ سبب میں ہی معتبر ہوگی، اس کے علاوہ نہیں۔"

مثال کے طور پر کہا جائے: "هو ثقة في حديث الزهري أو في الحديث عن اهل حجاز" "وہ زہری سے حدیث روایت کرنے، یا اہل حجاز سے روایت کرنے میں ثقہ ہے۔" تو یہ توثیق ان ہی کے متعلق ہوگی غیر کے متعلق نہیں۔ لیکن اگر اس سے مقصود ان لوگوں سے روایت کرنے میں ضعف کے دعوی کو ختم کرنا ہے تو اس صورت میں یہ توثیق سب کے لیے ہوگی۔

(3) تعدیل کے مراتب:

اعلی ترین مرتبہ وہ الفاظ ہیں جو انتہائی مبالغہ پر دلالت کرتے ہوں' جیسے: أوثــق الناس [لوگوں میں سب سے بڑھ کر ثقہ] یا یہ کہا جائے: "إليه المنتهى في التثبيت" [ثابت حدیث کی اس پر انتہاء ہوتی ہے]۔

اس کے بعد جب ایک یا دو صفتوں سے اس کی تاکید کی جائے، جیسے: "ثقہ ثقہ، یا ثقہ ثبت اور اس طرح کی دیگر صفات۔

کم مرتبہ: جس سے جرح کے ادنی مرتبہ کے قریب ہونے کا احساس ہو' جیسے کہا جائے: صالح، مقارب؛ یا کہا جائے: "يروى حديثه: [اس کی حدیث روایت کی جاتی ہے] یا اس طرح کے الفاظ اور اس کے مابین کے مراتب معلوم شدہ ہیں۔

(4) قبول تعدیل کی شرائط:

تعدیل کے قبول ہونے کی چار شرائط ہیں:

1. تعدیل کرنے والا عادل ہو' فاسق کی تعدیل قبول نہیں ہوگی۔
2. تعدیل کرنے والا بیدار مغز اور چوکنا عالم ہو، غافل کی تعدیل قبول نہیں ہوگی۔ جیسے کسی انسان کی ظاہری حالت دھوکہ دے دے۔
3. تعدیل کرنے والا تعدیل کے اسباب سے واقف ہو، جو قبول اور رد کی صفات کو نہیں

جاننا اس کی تعدیل قبول نہیں کی جائے گی۔

4. یہ تعدیل کسی ایسے انسان کے متعلق نہ ہو جو اپنی ایسی صفات کی وجہ سے مشہور ہو' جن سے اس کی روایت کا رد کرنا لازم آتا ہو۔ جیسے جھوٹ، کھلم کھلا فسق یا کوئی اور وصف۔

جرح اور تعدیل میں تعارض

تعارض جرح وتعدیل کی تعریف:

"أَنْ يُذْكَرَ الرَّاوِي بِمَا يُوْجِبُ رَدَّ رِوَايَتِهِ وَ بِمَا يُوْجِبُ قُبُولَهَا ."

''کسی راوی کو ایسے ذکر کیا جائے جس سے اس کی روایت کا رد کرنا بھی واجب ہوتا ہو' اور اس کا قبول کرنا بھی لازم آتا ہو۔''

مثال کے طور پر: بعض علماء اس کے متعلق کہیں کہ: ''بے شک یہ ثقہ ہے۔'' جبکہ بعض دوسرے علماء اس کے متعلق کہیں: ''یہ ضعیف ہے۔''

جرح وتعدیل میں تعارض کے احوال:

جرح وتعدیل میں تعارض کے چار احوال ہیں:

حال اوّل: جرح و تعدیل دونوں ہی مبہم ہوں، یعنی اس میں نہ ہی تعدیل کا سبب ظاہر اور واضح ہو اور نہ ہی جرح کا۔

- جب ہم کہتے ہیں: مبہم جرح قبول نہیں کی جائے گی' تو اس صورت میں تعدیل کو لیا جائے گا، کیونکہ واقع الحال میں اس کے معارض کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ کہا کہ: ''یہ راجح ہے اور ان میں تعارض واقع ہو جائے تو ان دونوں میں سے ارجح کو قبول کیا جائے گا۔ ایسا یا تو کہنے والے کے عادل ہونے کی وجہ سے ہوگا یا اس کی اس شخص کے حال کی معرفت کی وجہ سے یا پھر دیگر اسباب جرح وتعدیل کی وجہ سے یا کثرت عدد کی

وجہ سے۔

حالِ دوم: جرح و تعدیل دونوں کے اسباب واضح ہوں۔ یعنی جرح اور تعدیل میں سے ہر ایک کا سبب واضح تو اس صورت میں جرح کو قبول کیا جائے گا، کیونکہ جرح کرنے والے کو زیادہ علم ہے۔ ہاں اس کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ تعدیل کرنے والا کہے: ''میں خوب جانتا ہوں جس سبب کی وجہ سے جرح کی جاتی تھی وہ یقیناً ختم ہوگیا تھا'' پس اس صورت میں تعدیل کو قبول کیا جائے گا، کیونکہ اس کے کہنے والے کو زیادہ علم ہے۔

حالِ سوم: تعدیل مبہم ہو اور جرح مفسر ہو تو اس صورت میں جرح کو لیا جائے گا۔ کیونکہ جرح کرنے والے کو زیادہ علم ہے۔

حالِ چہارم: یہ کہ تعدیل مفسر ہو جرح مبہم ہو اس صورت میں تعدیل کو راجح ہونے کی وجہ سے لیا جائے گا۔

خبر کی اقسام باعتبار مضاف اِلیہ

خبر کی اپنے مضاف اِلیہ کے اعتبار سے تین اقسام ہیں:

1: مرفوع 2: موقوف 3: مقطوع

1: مرفوع

تعریف:

((مَا أُضِیفَ إِلَی النَّبِيِّ ﷺ .))

"جس حدیث کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا جائے۔"

[یعنی وہ حدیث جس میں کسی قول، فعل یا تقریر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔]

مرفوع کی اقسام:

مرفوع کی دو قسمیں ہے:

(1) مرفوع صریح:

"مَـا أُضِیفَ إِلَی النَّبِيِّ ﷺ مِـنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِیرٍ أَوْ وَصْفٍ فِيْ خُلُقِهٖ أَوْ خِلْقَتِهٖ ."

"جس حدیث کو نبی کریم ﷺ کی ذات کی طرف منسوب کیا جائے' خواہ قول میں سے ہو، فعل سے ہو یا تقریر میں یا آپ ﷺ کا اخلاقی یا پیدائش وصف ہو۔"

اس کی مثال قول سے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
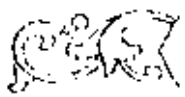
"من عمل عملاً ما ليس عليه أمرنا فهو رد." ❶

"جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے وہ مردود ہے۔"

فعل کی مثال :

"كان النبي ﷺ إذا دخل بيته بدأ بالسواك." ❷

"جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو مسواک کیا کرتے۔"

تقریر کی مثال: اس لونڈی کا قصہ ہے، جس سے آپ ﷺ نے پوچھا تھا: ❸

"أين الله"؟ "اللہ کہاں ہے"؟ تو اس نے کہا:

"في السماء" "آسمان میں ہے۔"

تو آپ ﷺ نے اسے اس پر برقرار رکھا۔

ایسے ہی ہر وہ قول اور فعل جس کا نبی کریم ﷺ کو علم ہوا ہو اور آپ ﷺ نے اس پر انکار نہ کیا ہو، تو وہ صریح مرفوع تقریر ہوگی۔

آپ ﷺ کے اخلاقیات کی مثال:

رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر سخی اور بہادر تھے۔ آپ ﷺ سے کبھی بھی کسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا اور آپ ﷺ نے کہا ہو: "نہیں ہے۔" آپ ﷺ ہمیشہ مسکراتے تھے۔ نرم اخلاق اور نرم گوشہ والے تھے۔ کبھی بھی آپ ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کا اختیار نہیں دیا گیا، مگر

---

❶ رواه مسلم (١٧١٨) كتاب الأقضية، ٨- باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور- وعلقه البخاري (كتاب البيوع، ٦٠ باب النجش).

❷ رواه مسلم (٦٤٦٤) كتاب الطهارة، ١٥- باب السواك.

❸ رواه مسلم (٥٣٧) كتاب المساجد، ٧- باب تحريم الكلام في الصلاة و نسخ ما كان إباحته- امام مالك في الموطأ (١٤٦٤) كتاب العتق والولاء، -باب ما يجوز من العتق في الرقاب الواجبة - والبيهقي في السنن الكبرى (١٤٢٤٩) كتاب الظهار؛ باب إعتاق الخرساء إذا أشارت بالإيمان وصلت- وسنن أبي داؤد (٢٨٧٣) كتاب الإيمان و النذور -باب في الرقبة المؤمنة.

آپ ﷺ نے آسان کو قبول کیا، سوائے اس کے کہ اس میں کوئی گناہ ہو، اس صورت میں آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اس [گناہ والے کام] سے دور رہنے والے ہوتے تھے۔"❶

آپ ﷺ کی صفات کی مثال:

"كان النبي ﷺ ربعةً من الرجال، ليس بالطويل و لا بالقصير، بعيد ما بين المنكبين، له شعر يبلغ شحمة أذنيه، وربما يبلغ منكبيه، حسن اللحية فيه شعرات من شيب."❷

"رسول اللہ ﷺ چوڑے جسم والے تھے، نہ ہی بہت لمبے قد کے تھے اور نہ ہی چھوٹے قد کے، اور آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ کے بال تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے، اور بسا اوقات کندھوں تک۔ خوبصورت داڑھی والے تھے، جس میں چند بال بڑھاپے کے تھے۔"

یہ صفات مختلف احادیث سے منقول ہیں۔

(2) مرفوع حکمی:

"ما كان له حكم المضاف إلى النبي ﷺ."

"وہ حدیث ہے جس کے لیے نبی ﷺ کی طرف منسوب ہونے کا حکم لگایا جائے۔"

اس کی کئی اقسام ہیں:

اوّل......قولِ صحابی: "جب کسی حدیث کے متعلق یہ ممکن نہ ہو کہ یہ ذاتی رائے ہوگی نہ ہی تفسیر اور نہ ہی اس کے کہنے والے کے متعلق یہ معروف ہو کہ وہ اسرائیلیات نقل کرتا ہے تو اس وقت یہ حدیث حکماً مرفوع ہوگی جیسا کہ:

❶ صحيح البخاري (٣٠٦٣) كتاب بدء الخلق؛ -باب ذكر الملائكة-مسند أبي يعلى (٤٣٨٢) - اسناده صحيح.

❷ بخاري ح ٣٣٥٨؛ من حديث براء بن عازب؛ كتاب المناقب؛ باب صفة النبي ﷺ و مسلم (٢٣٣٧) كتاب الفضائل -باب صفة النبي ﷺ.

"قیامت کی نشانیوں کی خبر، یا قیامت کی گھڑی یا بدلہ کے وقت کے احوال ہوں۔"

اگر یہ رائے کی قبیل سے ہوگی تو موقوف ہوگی۔

اور اگر یہ تفسیر کی قبیل سے ہے تو اس کے لیے بھی اصل میں وہی حکم ہے، اس کی تفسیر موقوف ہوگی۔

اگر اس حدیث کے بیان کرنے والے کے متعلق معروف ہو کہ وہ اسرائیلیات نقل کرتا ہے اور اسے یہ تردد ہو کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے' یا موقوف حدیث ہے' تو اس صورت میں اس میں شک کی وجہ سے اس پر حدیث ہونے کا کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا۔

یہ کہا گیا ہے کہ: حضرات عبادلہ؛ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن زبیر' اور حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کعب الاحبار اور دوسرے لوگوں سے بنی اسرائیل کی خبریں لیا کرتے تھے۔

دوم......: فعل صحابی: جب یہ فعل رائے کی قبیل سے نہ ہو۔ اس کی مثال یہ بیان کی جاتی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کیے۔

سوم......: صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف کوئی چیز منسوب کرے اور یہ نہ بیان کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق علم ہوا تھا۔ جیسے حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں" ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں گھوڑا ذبح کیا جبکہ ہم مدینہ میں تھے اور ہم نے اسے کھایا۔"[1]

چہارم......: صحابی کسی چیز کے متعلق کہے کہ یہ سنت ہے: جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

" تشہد کو آہستہ سے پڑھنا سنت میں سے ہے۔"[2]

---

[1] رواه البخاري (٥٥١٠ و ٥٥١٢) كتاب ٧٢ ‐باب و مسلم (١٩٤٢) كتاب' ٦‐باب

[2] رواه ابو داؤد (٩٨٦) كتاب الصلاة' باب إخفاء التشهد، والترمذي (٢٩١) كتاب الصلاة (١٠٩) ‐باب ما جاء أنه يخفي التشهد، وقال: حسن غريب. وصححه الألباني.

اگر یہ بات تابعی نے کہی ہو تو اس کی بابت دو قول ہیں:

اول: یہ بھی مرفوع ہے۔

دوم: یہ موقوف ہے، جیسا کہ حضرت عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''سنت یہ ہے کہ امام عید میں دو خطبے دے اور ان دونوں کے درمیان میں بیٹھ کر انہیں جدا کرے۔''❶

پنجم ......: صحابی رضی اللہ عنہ کا قول (جس میں وہ کہے): ہمیں حکم دیا گیا، ہمیں منع کیا گیا یا لوگوں کو حکم دیا گیا، یا اس طرح کے دیگر الفاظ۔ جیسے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

((أمرنا أن نخرج في العيدين العواتق .))❷

''ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم عیدین میں دوشیزاؤں کو (عیدگاہ کی طرف) نکالیں۔''

ان ہی کا دوسرا قول ہے:

"نهينا عن اتباع الجنائز و لم يعزم علينا ."❸

''ہمیں منع کیا گیا کہ ہم جنازوں کے ساتھ چلیں، مگر ہم پر سختی نہیں کی گئی۔''

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

''لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو [صرف یہ کہ حیض والی عورت پر تخفیف کی گئی]۔''❹

---

❶ رواه الشافعي في مسنده (١/ ٧٧) وهو في "الأم" (١/ ٢٧٢) كتاب العيدين -باب الفصل بين الخطبتين .

❷ رواه البخاري (٣٥١) كتاب الصلاة ' ٢-باب وجوب الصلاة في الثياب' ومسلم (٨٩٠) كتاب صلاة العيدين ' ١- باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين إلى المصلى وشهود الخطبة مفارقات للرجال .

❸ رواه البخاري (١٢٧٨) كتاب الجنائز ' ٣٠- باب اتباع النساء الجنائز - ومسلم (٩٣٨) كتاب الجنائز ' ١١ - باب نهي النساء عن اتباع الجنائز .

❹ رواه البخاري (١٧٥٥) كتاب الحج ' ١٤٤ - باب طواف الوداع - ومسلم (١٣٢٨) كتاب الحج ' ٦٧ - باب وجوب طواف الوداع و سقوطه عن الحائض .

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"وُقِّتَ لنا في قص الشارب و تقليم الأظافر ونتف الإبط وحلق العانة أن لا نترك فوق أربعين ليلة ." ❶

''ہمارے لیے وقت مقرر کیا، مونچھیں کاٹنے' ناخن کاٹنے' زیر بغل نوچنے اور زیر ناف منڈوانے کے لیے کہ ہم انہیں چالیس رات سے زیادہ نہ چھوڑیں۔''

ششم ......: صحابی کسی چیز پر حکم لگائے کہ یہ معصیت کا کام ہے، جیسا کہ آذان کے بعد مسجد سے نکلنے والے کے لیے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

((أما هذا فقد عصى أبا القاسم ﷺ .)) ❷

''رہا یہ آدمی تو اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔''

اور ایسے ہی اگر صحابی کسی چیز کے متعلق کہہ دے کہ یہ اطاعت کا کام ہے، کیونکہ کوئی بھی کام شارع کی نص کے بغیر معصیت یا اطاعت نہیں ہوسکتا، نیز صحابی اپنی طرف سے کسی ایسی چیز میں بالجزم نہیں کہہ سکتا' صرف اس صورت کے کہ اس کے پاس شارع کی طرف سے علم ہو۔

ھفتم......: راوی کا صحابی کے متعلق کہنا کہ:" رفع الحديث " او " رواية۔"

جیسا کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا:

((الشفاء في ثلاثة : شربة عسل' و شرطة محجم' وكية النار ' وأنهى أمتي عن الكي" . رفع الحديث)) ❸

''شفاء تین چیزوں میں ہے: شہد کا پینا، سینگی لگانے والے کی سینگی اور آگ سے داغنے میں، لیکن میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔''

---

❶ رواه مسلم (٢٥٨٩) كتاب الطهارة' ١٦۔ باب خصال الفطرة .

❷ رواه مسلم (٦٥٥) كتاب المساجد ٤٥۔ باب النهي عن الخروج من المسجد إذا أذن المؤذن .

❸ رواه البخاري (٥٦٨٠) كتاب الطب؛ ٣۔ باب الشفاء في ثلاثة .

اس حدیث کو مرفوع کہا۔"

سعید بن مسیب رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں؛ فرماتے ہیں:

"الفطرة خمس - أو خمس من الفطرة - الختان والاستحداد، ونتف الابط، وتقليم الأظافر وقص الشارب." ❶

"فطرت پانچ چیزیں ہیں - یا پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں - استرا استعمال کرنا (یعنی زیر ناف مونڈنا) بغل نوچنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں کاٹنی۔"

ایسے ہی جب صحابی سے روایت کرنے کے بعد کہیں: "[يأثر الحديث]، یا کہیں: [ينميه] یا کہیں: [يبلغ به] یا اس طرح کے دیگر الفاظ۔ سو ان جیسی عبارات کے لیے صریح مرفوع ہونے کا حکم ہے۔ اگر چہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں (لفظی طور پر) صریح نہ بھی ہوں، مگر ان سے احساس و شعور یہی ہو رہا ہے (کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے)۔

2: موقوف

جسے صحابی کی طرف منسوب کیا جائے اور اس کے لیے مرفوع ہونے کا حکم ثابت نہ ہو۔

اس کی مثال: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

((يهدم الإسلامَ زَلَّةُ العالم، وجدال المنافق العليم بالكتاب، وحكم الآئمة المضلين.)) ❷

"اسلام کو مٹا دیتی ہے: عالم کی لغزش، کتاب کے جاننے والے منافق کا جدال اور گمراہ حکمرانوں کے فیصلے۔"

---

❶ سنن الدارمي، ح ٦٨٥ - باب رسالة عباد بن عباد الخماص۔

❷ رواه مسلم (٢٤) باب في أن الإسناد من الدين - سنن الدارمي (٤٤٥) باب في الحديث عن الثقات.

3: مقطوع

”وہ روایت جسے کسی تابعی یا اس کے بعد کے راوی کی طرف منسوب کیا جائے۔“

اس کی مثال ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے:

((إن هذا العلم دين ، فانظروا عمن تأخذون دينكم .)) [1]

”بے شک یہ علم دین ہے، سو دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔“

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان:

”أترك من أعمال السر ما لا يحسن بك أن تعمله في العلانية .“

”پوشیدگی کے ان اعمال کو چھوڑ دیجیے جن کا کرنا اعلانیہ میں تمہارے ساتھ اچھا نہیں لگتا۔“

[1] لم أجده في الكتب المتوفرة عندي .

صحابی

صحابی کی تعریف:

((من اجتمع بالنبی ﷺ أو رأه مؤمنا به و مات علی ذلك .))

''جس نبی ﷺ کے ساتھ ملاقات ہوئی ہو یا اس نے نبی کریم ﷺ کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور اسی پر اس کی موت ہوئی ہو۔''

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مرتد ہو گئے تھے اور پھر اسلام میں داخل ہو گئے۔ جیسے اشعث بن قیس۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ انہیں قید کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے توبہ کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ توبہ قبول کر لی۔

اس سے وہ لوگ خارج ہیں جو ایمان لائے مگر نبی کریم ﷺ سے مل نہیں سکے۔ جیسے نجاشی اور وہ لوگ جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے اور اسی حالت میں انھیں موت آئی، جیسا کہ عبداللہ بن اخطل جسے فتح مکہ کے دن قتل کیا گیا اسی طرح ربیعہ بن امیہ بن خلف جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتد ہوا اور حالت ارتداد میں ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے شمار ہیں۔ گنتی کے ساتھ ان کی تعداد کے متعلق کوئی حتمی بات کہنا ممکن نہیں، مگر اندازاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔

صحابی کا حال:

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثقہ اور عادل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی روایت قبول کی جائے

گی اگرچہ وہ مجہول الحال ہی کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ صحابی کی حالت سے لاعلمی نقصان نہیں دیتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف کے بیان میں جو بات ہم نے کہی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نصوص میں ان کی تعریف کی ہے اور اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی بھی شخص کی بات بھی قبول کر لیتے تھے جب اس کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں علم ہو جاتا۔ آپ اس کے حال کے متعلق دریافت نہیں فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: '' کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟''

اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا بِلَال ! أَذِّنْ فِي النَّاسِ فَلْيَصُوْمُوْا غَدًا .))

''اے بلال! لوگوں میں اعلان کرو کہ کل روزہ رکھیں۔'' [1]

---

[1] رواه أبو داؤد (٢٣٤٠) كتاب الصوم' باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان۔ والنسائي في "المجتبى" (٤/ ١٣٢/ ٢١١٢) كتاب الصيام' ٨۔باب قبول شهادة الرجل الواحد على هلال شهر رمضان۔ و الترمذي (٦٩١) كتاب الصوم' ٧۔ باب ما جاء في الصوم بالشهادة ورجح إرساله۔وابن ماجة (١٦٥٢) كتاب الصيام' ٦۔ باب ماجاء في شهادة على رؤية الهلال۔ وصححه ابن خزيمة (١٩٢٣ و ١٩٢٤) كتاب الصيام' ٣٩۔ باب إجازة الشاهد الواحد على رؤية الهلال و ابن حبان (٧٨٠/ الموارد) كتاب الصيام' ١۔باب رؤية الهلال۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے:

صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے علی الاطلاق سیدنا عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا مکہ مکرمہ میں سن 110 ہجری میں انتقال ہوا۔ ❶

مدینہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے محمود بن ربیع الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کا انتقال سن 99 ہجری میں ہوا۔ ❷

شام میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت واثلۃ بن اسقع لیثی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا سن 86 ہجری میں انتقال ہوا۔ ❸

حمص میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ ہیں' جن کا انتقال سن 96 ہجری میں ہوا۔ ❹

بصرہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے انس بن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا انتقال سن 93 ہجری میں ہوا۔ ❺

کوفہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے عبداللہ بن ابی أوفی اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں' جن

---

❶ الاستیعاب في معرفة أصحاب ١/ ٢٤١۔ اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ٥٦٧۔ الإصابة في تميز الصحابة برقم ٤٤٣٩ ج ٣/ ٦٠٥.

❷ الاستيعاب في معرفة أصحاب ١/ ٤٢٩۔ اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ٩٩٣۔ الإصابة في تميز الصحابة برقم ١٠٦٤٩ ج ٧/ ٤١٦.

❸ الاستيعاب في معرفة أصحاب ١/ ٤٩٥۔ اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ١٠٩٩۔ الإصابة في تميز الصحابة برقم ٩٠٩٣ ج ٦/ ٥٩١.

❹ الاستيعاب في معرفة أصحاب ١/ ٢٦٣۔ اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ٥٨٥.

❺ تهذيب التهذيب ٣/ ٣٦٩۔ الاستيعاب في معرفة أصحاب ١/ ٣٥۔ اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ٧٩ الإصابة في تميز الصحابة برقم ٢٧٧ ج ١/ ١٢٦.

کا انتقال سن 87 ہجری میں ہوا۔ ❶

مصر میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا انتقال سن 89 ہجری میں ہوا۔ ❷

سن 110 ہجری کے بعد صحابہ کرام میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"نبی کریم ﷺ نے ہمیں اپنی زندگی کے آخری دنوں میں نماز پڑھائی، جب سلام پھیرا تو فرمایا:

((أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ .)) ❸

"تمہاری آج کی رات مجھے تم دکھائے گئے۔ آج سے سو سال بعد زمین پر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا جو آج موجود ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔ ❹

آخری صحابی کی وفات کی معرفت کے فوائد:

(1):...... جس کی موت اس تاریخ کے بعد ہوئی ہو اس کے متعلق صحابی ہونے کا

❶ الاستيعاب في معرفة أصحاب ١/ ٢٦١ . اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ٥٨٤ . الإصابة في تميز الصحابة برقم ٦١٦٨ ج ٥/ ٨ .

❷ الاستعياب في معرفة أصحاب ١/ ٢٦٦ـ اسد الغابة في معرفة الصحابة ١/ ٥٩٠ـ الإصابة في تميز الصحابة برقم ٤٦٠١ ؛ ٤/ ٤٦ـ تقريب التهذيب برقم ٣٢٦٢ .

❸ رواه البخاري (١١٦) كتاب العلم ٤١ـ باب السمر في العلم ـ ومسلم (٢٥٣) كتاب فضائل الصحابة، ٥٣ـ باب قوله :لا تأتي مائة سنة وعلى الأرض نفس منفوسة اليوم .

❹ مسلم (٢٥٣٨) كتاب فضائل الصحابة، ٥٣ـ باب قوله :لا تأتي مائة سنة وعلى الأرض نفس منفوسة اليوم ؛ وحديث جابر موجود عند عقبة (٢٥٣٨) .

دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔

(2):...... جس جس نے اس مدت سے پہلے تمیز نہیں حاصل کی تھی، یعنی سمجھداری کی عمر کو نہیں پہنچا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی روایت منقطع تصور ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کثرت روایت والے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض بہت زیادہ حدیث بیان کرتے تھے، اس لیے ان سے روایات بھی زیادہ ہیں۔ جن صحابہ سے ایک ہزار سے زیادہ احادیث منقول ہیں، ان میں:

1. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۳۷۴)
2. حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما (۲۶۳۰)۔
3. حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۲۲۸۶)۔
4. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲۲۱۰)۔
5. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۱۶۶۰)۔
6. حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۱۵۴۰)۔
7. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (۱۱۷۰)۔

ان سے کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے دوسرے صحابہ سے زیادہ احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہیں۔ بلکہ کبھی صحابی سے قلت روایتِ حدیث کی وجہ اس کی موت کا متقدم ہونا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔ یا پھر دیگر امور میں ان کی مشغولیت ہے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور کبھی یہ دونوں سبب جمع بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ آپ کی وفات بھی پہلے ہوئی اور امر خلافت میں بھی مشغول رہے۔ ان کے علاوہ اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

مخضرم

مخضرم کی تعریف:

"المُخْضَرمُ مَنْ آمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فِي حَيَاتِهِ وَلَمْ يَجْتَمِعْ بِهِ."

"مخضرم وہ ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایمان قبول کیا ہو' مگر آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔"

مخضرمین صحابہ وتابعین کے درمیان ایک مستقل طبقہ ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرات کبار تابعین ہیں۔بعض علماء کرام ﷭ نے ان کی تعداد چالیس بیان کی ہے۔ان میں سے: ابوعثمان نہدی، احنف بن قیس، اسود بن یزید' سعد بن ایاس' عبداللہ بن عکیم، عمرو بن میمون، ابومسلم الخولانی' اور حبشہ کا بادشاہ نجاشی ﷫ قابل ذکر ہیں۔

ان کی روایت کا حکم:

مخضرم کی حدیث مرسل تابعی کی قسم میں سے منقطع ہے۔اس کے قبول ہونے میں اور تابعی کی مرسل کے قبول ہونے میں اختلاف ہے۔

تابعی

"مَنِ اجْتَمَعَ بِالصَّحَابِي مُؤْمِنًا بِالنَّبِي ﷺ وَمَاتَ عَلَى ذٰلِكَ"

"تابعی وہ ہے جس کی صحابی سے ملاقات نبی کریم ﷺ پر ایمان کی حالت میں ہوئی ہو اور پھر اسی حالت میں اس کی وفات ہوگئی ہو۔"

تابعین بہت زیادہ ہیں' ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔ان کے تین طبقات ہیں:

کبریٰ ......: جن کی اکثر روایات صحابہ کرام ﷡ سے ہوں، جیسے سعید بن مسیب، عروۃ بن

زبیر' اور علقمہ بن قیس رحمہم اللہ۔

صغریٰ ......: جن کی اکثر روایات تابعین سے ہوں اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایات نقل کی ہوں ۔ جیسے: ابراہیم نخعی، أبوزناد، یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ۔

وسطیٰ......: جن کی روایات صحابہ اور کبار تابعین سے کثرت کیساتھ ہوں ۔ جیسے حسن بصری' محمد بن سیرین' مجاہد' عکرمہ' قتادۃ ، شعبی ، زہری ، عطاء ، عمر بن عبد العزیز، سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب رحمہم اللہ۔"

اِسناد

اسناد کی تعریف:

"الإِسْنَادُ وَيُقَالُ السَّنَدُ ؛ رُوَاةُ الَّذِيْنَ نَقَلُوهُ إِلَيْنَا ."

''اسناد جسے سند بھی کہا گیا ہے حدیث کے وہ راوی ہیں جو اسے ہم تک نقل کرتے ہیں۔''

اس کی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے:

حدثنا عبد الله بن يوسف أخبرنا مالك عن شهاب عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال:

"ولا تباغضوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً، و لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال." [1]

بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں بغض نہ رکھو، نہ ہی آپس میں حسد کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرو، اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔''

اس میں عبد اللّٰه بن يوسف أخبرنا مالك عن شهاب عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ؛ اس کی سند ہے۔

اسناد کی اقسام:

سند کی دو قسمیں ہیں: (1) عالی (2) نازل

[1] رواه البخاري (٦٠٦٥) كتاب الأدب؛ ٥٧- باب ما ينهى من التحاسد والتدابر- ومسلم (٢٥٥٩) كتاب البر والصلة والآداب' ٧- باب تحريم التحاسد والتباغض-

(1) عالی ......((مَا کَانَ أَقْرَبُ إِلَی الصِّحَةِ وَالنَّازِلُ عَکْسُهُ .))
عالی سند اسے کہتے ہیں جو صحت کے قریب تر ہو۔ جبکہ نازل اس کے برعکس ہے۔
علو کی دو قسمیں ہیں:

1: عالی صفت: راوی دوسری سند کے راویوں کی نسبت ضبط اور عدالت میں زیادہ قوی ہو۔
2: عالی عدد: ایک سند میں راویوں کی تعداد دوسری سند کے راویوں کی نسبت کم ہو۔

قلت عدد اس لیے علوِ سند میں شمار ہوتا ہے کہ جب واسطے کم ہوں گے تو خطاً کا احتمال کم ہوگا اور سند صحت کے قریب تر ہوگی۔

(2) نازل ......: علو کے مد مقابل کو کہتے ہیں' اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

1: نزولِ صفت: یہ کہ راوی دوسری سند کے راویوں کی نسبت ضبط اور عدالت میں زیادہ ضعیف ہو۔
2: نزولِ عدد: ایک سند میں راویوں کی تعداد دوسری سند کے راویوں کی نسبت زیادہ ہو۔

بسا اوقات علو صفت اور علو سند دونوں قسمیں ایک ہی سند میں جمع ہو جاتی ہیں' اس وقت یہ سند صفت اور عدد دونوں اعتبار سے عالی ہوگی اور کبھی ان میں سے ایک صفت کو چھوڑ کر دوسری پائی جاتی ہے۔ اس وقت سند صفت کے اعتبار سے عالی ہوگی اور عدد کے اعتبار سے نازل ہوگی، جب کہ کبھی اس کا عکس ہوگا۔

فائدہ......: عالی اور نازل کی پہچان حاصل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تعارض کے وقت عالی سند والی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

سب سے صحیح سند:

درحقیقت کسی خاص سند پر اصح الاسانید ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ بے شک سند پر یہ حکم صحابی' شہر یا موضوع کے اعتبار سے ہوگا، یعنی یوں کہا جائے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے صحیح سند، اہل حجاز کی سب سے صحیح سند، نزول کے اعتبار سے سب سے صحیح سند۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف نسبت کے اعتبار سے اصح اسانید

ذکر کی ہیں' ان میں سے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سب سے صحیح سند: زھری عن سعید بن مسیب عن ابی ھریرہ

حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی سب سے صحیح سند: مالك عن نافع عن ابن عمر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سب سے صحیح سند: مالك عن زھری عن انس

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سب سے صحیح سند: ھشام بن عروہ عن ابیه عن عائشه رضی اللہ عنہا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سب سے صحیح سند: زھری عن عبید اللہ بن عتبه عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سب سے صحیح سند: سفیان بن عیینه عن عمرو بن دینا عن جابر رضی اللہ عنہ۔

باقی رہی عمرو بن شعیب عن ابیه (شعیب) عن جده (یعنی :جد أبیه شعیب) ، وہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں، بعض نے اس سند میں مبالغہ سے کام لیا ہے' اور اسے اصح الأسانید شمار کیا ہے' جب کہ بعض نے اس پر رد کیا ہے، کیونکہ شعیب اپنے دادا سے نہیں ملے، اس لیے یہ سند منقطع ہوگی۔

راجح یہ ہے کہ بے شک یہ صحیح اور مقبول سند ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے امام احمد بن حنبل علی المدینی اسحاق بن راہویہ، ابوعبید اور اپنے عام اصحاب رحمہم اللہ کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی روایت کو حجت مانتے ہیں اور اسے مسلمانوں میں سے کسی ایک نے ترک نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے بعد کے لوگ کون ہیں؟ جنھیں اس پر اعتراض کرنے اور یہ کہنے کا حق حاصل ہو کہ شعیب اپنے دادا سے نہیں ملے، یہ قول مردود ہے، کیونکہ شعیب کا اپنے دادا عبداللہ سے سماع ثابت ہے۔ لہٰذا پھر اس میں کوئی انقطاع باقی نہ رہا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آئمہ اسلام اور جمہور علماء عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی حدیث کو حجت مانتے ہیں، پھر ان سے نقل کرنا درست ہوا۔''

مسلسل

مسلسل کی تعریف:

”مَا اتَّفَقَ الرُّوَاةُ فِيْهِ عَلٰى شَيْئٍ وَاحِدٍ فِيْمَا يَتَعَلَّقُ بِالرَّاوِيْ أَوِ الرِّوَايَةِ . “

”جس میں راوی اس چیز پر متفق ہو جائیں جو راوی یا روایت سے تعلق رکھتی ہو۔

راوی کے متعلق اس کی مثال: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یا معاذ إني أحبك ' أوصيك لا تدعن دبر كل صلاة تقول:

”اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك . “[1]

”اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات کہنا مت بھولنا: ”یا اللہ! اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت بجالانے پر میری مدد فرما۔“

علماء نے لکھا ہے کہ جس نے بھی یہ حدیث ان سے روایت کی ہے' اس نے یہی الفاظ نقل کیے ہیں: ” أنا أحبك ' فقل : ” اللهم أعني على ذكرك ......۔“

روایت کے متعلق اس کی مثال امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنی صحیح میں یہ قول ہے:

”حدثنا عمرو بن حفص حدثنا أبي حدثنا الأعمش حدثنا زيد

---

[1] رواه أبوداؤ (١٥٢٢) كتاب الوتر 'باب في الاستغفار۔ والنسائي في المجتبى (٣/ ٥٣/ ١٣٠٣) كتاب السهو ''٦٠'' ۔ نوع آخر من الدعاء۔ وأحمد (٥/ ٢٤٤/ ٢٢١٧٢) و (٢٤٧/ ٢٢١٧٩) وثبته الحافظ في الفتح (١١/ ١٣٣).

بن وهب ، حدثنا عبدالله (يعني ابن مسعود رضي الله عنه)
حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق :
" إن أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوماً ثم يكون علقة . "[1] (الحديث)
" تم میں سے ہر کسی کو چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے، پھر وہ لوتھڑا بن جاتا ہے۔"
اس میں تمام راویوں نے ایک ہی لفظ "حدثنا" کو تسلسل سے اختیار کیا ہے۔
اسی طرح اگر لفظ "عن فلان عن فلان" تسلسل سے آئے۔
یا ایسا تسلسل ہو کہ حدیث کا پہلا حصہ شیخ سے سنا ہو یا آخری حصہ (مراد یہ ہے کہ لفظ "سمعنا" سے حدیث کو روایت کیا جائے۔

مسلسل کا فائدہ:

راویوں کا ایک دوسرے سے نقل کرنے میں ضبط کا بیان اور ان میں سے ہر ایک کا اپنے سے پہلے والے راوی کی اتباع کا اہتمام۔

---

[1] رواه البخاري (٣٣٣٢) كتاب الأحاديث الأنبياء: ١ ـ باب خلق آدم وذريته ـ و هو عند مسلم في "صحيحه" (٢٦٤٣) كتاب القدر: ١ ـ باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه وكتابة رزقه و أجله وعمله وشقاوته و سعادته ـ

تحمل الحدیث

تحمل الحدیث کی تعریف:

"أَخْذُهُ عَمَّنْ حَدَّثَ بِهِ عَنْهُ ."

''حدیث کو اپنے بیان کرنے والے استاد یا شیخ سے لینا۔''

اس کی شروط:

اس کی تین شروط ہیں:

(1)...... **تمیز:** اس سے مراد خطاب (کلام) کو سمجھنا اور اس کا صحیح جواب دینا ہے۔ غالب طور پر سات سال کی عمر مکمل ہونے پر یہ تمیز حاصل ہو جاتی ہے۔

جسے چھوٹا ہونے کی وجہ سے تمیز حاصل نہ ہو، اس سے حدیث نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح جو انسان بڑی عمر کی وجہ سے تمیز کھو بیٹھا ہو، اس سے تحمل حدیث درست نہیں۔

(2)...... **عقل** : مجنون یا عقل میں خلل والے شخص سے حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

(3)...... **موانع سے سلامتی** : نیند کے غلبہ یا ایسی مشغولیت کی وجہ سے حدیث قبول نہیں ہوگی جس سے فکر منتشر ہوتی ہو۔

اقسام:

اس کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں سے:

1. شیخ کے لفظ سے سماعت، اس میں سب سے اعلیٰ قسم املاء کروانا ہے۔
2. شیخ کو پڑھ کر سنانا، اسے پیش کرنا بھی کہتے ہیں۔
3. اجازت شیخ اسے اپنے سے روایت کرنے کی اجازت دے، خواہ یہ اجازت لفظاً ہو یا

کتابت ہے۔

اجازت سے روایت کرنا، ضرورت کے پیش نظر جمہور علماء کے نزدیک درست ہے اور اس کی درستگی کی تین شروط ہیں:

پہلی شرط...... جس کی اجازت دی جارہی ہے، وہ معلوم ہو، یا اسے متعین کرے، مثلاً یوں کہے:

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھ سے صحیح بخاری روایت کرو۔"

یا تعیم سے ہو(یعنی اس اجازت کو عام رکھا گیا ہو)، مثال کے طور پر شیخ کہے:

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھ سے میری تمام مرویات روایت کرو۔"

سو جو روایت بھی اس شیخ کی مرویات میں سے ثابت ہوگی، راوی کے لیے صحیح ہوگا کہ وہ اس شیخ سے انھیں روایت کرے، کیونکہ اسے عام اجازت حاصل ہے۔

جب مجاز به (جس کی اجازت دی جارہی ہو) مبہم ہوتو اس سے روایت کرنا درست نہیں ہوگا۔ مثلاً: شیخ کہے: میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھ سے بخاری کی بعض احادیث روایت کرو۔" یا پھر یہ کہے:" میری بعض روایات کو نقل کرو۔" کیونکہ اس صورت میں معلوم نہیں کہ اس نے کس کس کی اجازت دی ہے۔

دوسری شرط:...... جس کو اجازت دی جارہی ہو وہ موجود ہو۔ معدوم کو اجازت دینا درست نہیں ہے۔ خواہ دوسرے کی اتباع میں ہو یا بالکل علیحدہ ہو۔ مثال کے طور پر شیخ کہے:

"میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اور جو تیری اولاد پیدا ہوگی ان کو بھی اجازت دیتا ہوں ۔ یا کہے: میں نے فلاں کے گھر پیدا ہونے والے کو اجازت دی" تو یہ اجازت درست نہ ہوگی۔"

تیسری شرط:...... جسے یہ اجازت دی جارہی ہے' وہ شخصیت کے لحاظ سے یا وصف کے اعتبار سے متعین ہو، مثال کے طور پر (شیخ کہے):" میں تمہیں اور فلاں کو اپنی سند کیساتھ

اپنی مرویات روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔" یا یوں کہے: "میں علم حدیث کے طلاب کو اپنی طرف سے اپنی مرویات روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

اگر یہ اجازت عام ہو تو درست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر (شیخ کہے): میں تمام مسلمانوں کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ میری سند میری مرویات نقل کریں۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ معدوم اور غیر معین کے لیے اجازت درست ہوگی۔

کتابتِ حدیث

تعریف:

اس کا مطلب ہے:

"نَقْلُهُ عَنْ طَرِيْقِ الْكِتَابَةِ ."

"حدیث کو لکھ کر نقل کرنا۔"

حدیث کی کتابت:

اس میں اصل جواز ہے کیونکہ یہ احادیث نبوی کو محفوظ رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ بھی سنیں اسے لکھ لیں۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ❶

اگر اس میں کسی قسم کی شرعی ممانعت کا خوف محسوس کیا جائے تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا اور اسے رسول اللہ ﷺ سے وارد ممانعت پر محمول کیا جائے گا۔ آپ کا فرمان ہے:

((لا تَكْتُبُوا عَنِّي شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ، فَمَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ .)) ❷

"مجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ لکھو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ

---

❶ رواه أحمد (٢/ ٢١٥/ ٧٠١٨٩) وابن خزيمة في "صحيحه" (٤/ ٢٦/ ٢٢٨٠) كتاب الزكاة: ٢٩٩ـ باب النهي عن الجلب عند أخذ الصدقة وحسنه الألباني رحمهم الله.

❷ رواه مسلم (٣٠٠٤) كتاب الزهد والرقائق' ١٦ـ باب التثبيت في الحديث وكتابة العلم ـ وأحمد (٣/ ١٢/ ١١١٠٠).

کچھ بھی لکھا ہے اسے چاہیے کہ اس کو مٹا دے۔"

جب سنت کی حفاظت اور شریعت کی تبلیغ حدیث کے لکھنے پر موقوف ہو تو اس کا لکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا حدیث لکھوا کر لوگوں کی طرف بھیجنے کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اور انہیں اس کی شریعت پہنچاتے تھے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے فتح والے سال خطبہ دیا۔ تو اہل یمن میں سے ایک آدمی کھڑا ہو گیا؛ اسے ابو شاہ کہا جاتا تھا، اس نے کہا:

يا رسول الله ﷺ! اكتبوا لي۔ فقال: "اكتبوا لأبي شاة." ❶

"یا رسول اللہ ﷺ! اسے میرے لیے لکھ دیجیے۔ (آپ ﷺ نے) فرمایا: ابو شاہ کے لیے لکھ دو۔" یعنی وہ خطبہ جسے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

اس کی صفات:

جس طرح حدیث کو بول کر پہنچانا واجب ہے اسی طرح حدیث کے لکھنے کا اہتمام کرنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ حدیث منتقل کرنے کا یہ بھی ایک وسیلہ ہے۔ کتابِ حدیث کے دو آداب ہیں:

① واجب ② مستحسن

واجب: حدیث کو واضح اور صاف الفاظ میں لکھے تاکہ کوئی شک وشبہ یا مشکل پیدا نہ ہو۔

مستحسن: ذیل میں آنے والے امور کا لحاظ رکھے:

① جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو اس کے ساتھ "تعالیٰ" یا "عزوجل" یا "سبحانہ" اس طرح کے دیگر صریح ثناء و تعریف کے کلمات بغیر کسی رمز کے لکھے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ

---

❶ رواه البخاري (١١٢) كتاب العلم؛ ٣٩۔ باب كتابة العلم۔ ومسلم (١٣٥٥) كتاب الحج ٨٢ باب تحريم مكة وصيدها وخلاها و شجرها و لقطتها إلا لمنشد على الدوام.

کتابتِ حدیث

تعریف:

اس کا مطلب ہے:

"نَقْلُهُ عَنْ طَرِيقِ الْكِتَابَةِ ."

"حدیث کو لکھ کر نقل کرنا۔"

حدیث کی کتابت:

اس میں اصل جواز ہے کیونکہ یہ احادیث نبوی کو محفوظ رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ بھی سنیں اسے لکھ لیں۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1]

اگر اس میں کسی قسم کی شرعی ممانعت کا خوف محسوس کیا جائے تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا اور اسے رسول اللہ ﷺ سے وارد ممانعت پر محمول کیا جائے گا۔ آپ کا فرمان ہے:

((لَا تَكْتُبُوا عَنِّي شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ ، فَمَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ .)) [2]

"مجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ لکھو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ

---

[1] رواه أحمد (٢/ ٢١٥/ ٧٠١٨٩) وابن خزيمة في "صحيحه" (٤/ ٢٦/ ٢٢٨٠) كتاب الزكاة؛ ٢٩٩ ـ باب النهي عن الجلب عند أخذ الصدقة وحسنه الألباني رحمهم الله.

[2] رواه مسلم (٣٠٠٤) كتاب الزهد والرقائق؛ ١٦ ـ باب التثبيت في الحديث وكتابة العلم ـ وأحمد (٣/ ١٢/ ١١١٠٠).

کچھ بھی لکھا ہے، اسے چاہیے کہ اس کو مٹا دے۔"

جب سنت کی حفاظت اور شریعت کی تبلیغ حدیث کے لکھنے پر موقوف ہو تو اس کا لکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا حدیث لکھوا کر لوگوں کی طرف بھیجنے کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اور انہیں اس کی شریعت پہنچاتے تھے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے فتح والے سال خطبہ دیا۔ تو اہل یمن میں سے ایک آدمی کھڑا ہو گیا؛ اسے ابو شاہ کہا جاتا تھا، اس نے کہا:

يا رسول الله ﷺ! اكتبوا لي ـ فقال: "اكتبوا لأبي شاة." ❶

"یا رسول اللہ ﷺ! اسے میرے لیے لکھ دیجیے۔ (آپ ﷺ نے) فرمایا: ابو شاہ کے لیے لکھ دو۔" یعنی وہ خطبہ جسے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔

اس کی صفات:

جس طرح حدیث کو بول کر پہنچانا واجب ہے اسی طرح حدیث کے لکھنے کا اہتمام کرنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ حدیث منتقل کرنے کا یہ بھی ایک وسیلہ ہے۔ کتابِ حدیث کے دو آداب ہیں:

① واجب ② مستحسن

واجب: حدیث کو واضح اور صاف الفاظ میں لکھے تاکہ کوئی شک وشبہ یا مشکل پیدا نہ ہو۔

مستحسن: ذیل میں آنے والے امور کا لحاظ رکھے:

① جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو اس کے ساتھ "تعالیٰ" یا "عزوجل" یا "سبحانہ" اس طرح کے دیگر صریح ثناء و تعریف کے کلمات بغیر کسی رمز کے لکھے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ

❶ رواه البخاري (١١٢) كتاب العلم؛ ٣٩ـ باب كتابة العلم۔ ومسلم (١٣٥٥) كتاب الحج ٨٢ باب تحريم مكة وصيدها وخلاها و شجرها و لقطتها إلا لمنشد على الدوام.

کا نام آئے تو ساتھ ﷺ بغیر رمز کے صریحاً لکھے۔

علامہ عراقی نے "شرح الفیه مصطلح الحدیث" میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر صلاۃ و سلام کے لیے لکھنے میں دو حرفوں پر مشتمل رمز اختیار کرنا مکروہ ہے۔ ❶

نیز فرماتے ہیں:

"درود و سلام میں سے ایک کو حذف کرنا اور صرف ایک پر اکتفا کرنا بھی مکروہ ہے۔"

جب صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ عنہ لکھے اور کسی ایک صحابی کے لیے کوئی خاص دعا یا ثناء ایسے متعین نہ کرے کہ اسے ہر بار ذکر کرنے میں اپنی علامت بنا لے۔ جیسا کہ بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیتے وقت کرتے ہیں، یعنی ان کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کا لفظ لکھتے اور بولتے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بے شک یہ تعظیم و تکریم کی قسم میں سے ہے لہٰذا شیخین یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ❷

اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر سلام کے ساتھ صلاۃ بھی زیادہ کر دیا جائے تو یہ ممنوع ہے اور خاص کر جب اسے شعار بنا لیا جائے تو اس کا ترک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ بات علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے "جلاء الأفهام" میں لکھی ہے۔ ❸

اور جب تابعی کا ذکر آئے یا جو لوگ ان کے بعد آئے ہیں اور دعا کے مستحق ہیں، ان کے لیے "رحمہ اللہ" کے الفاظ سے دعا کرے۔

② نصِ حدیث کے ساتھ ایسا اشارہ دے جس سے وہ دوسری عبارات سے جداگانہ حیثیت اختیار کر لے، مثال کے طور پر: اسے () قوسین میں لکھ دے۔ یا مربعین [ ] کے

---

❶ هو في شرحه "شرح الألفية" (ص ٢٣٧/ ٢٣٩).

❷ ابن كثير رحمه الله في تفسيره (٣/ ٥١٧/ ٥١٨).

❸ جلاء الأفهام (٤٦٧).

درمیان لکھے۔ یا دو دائروں O--O میں لکھ دے، تا کہ یہ دوسری عبارت کے ساتھ مل کر مشتبہ نہ ہو جائے۔

③ خطا کی اصلاح کے لیے عام اور معروف طریقہ اختیار کرے۔ رہ جانے والا جملہ کسی ایک جانب، اوپر یا نیچے لکھا جائے اور اس کی اصل جگہ کے تعین کے لیے اشارہ کر دے۔ زائد جملہ کو شروع کلمہ سے لے کر آخر تک ایسے واضح خط کے ساتھ مٹا دے تا کہ جو اس کے نیچے ہے؛ وہ مٹ کر قاری پر مخفی نہ ہو۔ جب زائد جملے بہت زیادہ ہو تو اس سے پہلے لکھے ''لا'' اور آخر میں لکھے ''إلی۔'' اور ان کو عام سطر سے تھوڑا اونچا رکھے۔ اگر زیادہ ایک کلمہ کے تکرار سے ہو تو مکرر آنے والے کلمہ کو [دوسری جگہ سے] مٹا دے۔ سوائے اس کے مکرر ہونے کی صورت میں دوسری بار آنے پر بعد والے جملہ کے ساتھ اس کا تعلق ہو تو پہلی بار وارد ہونے والا کلمہ مٹایا جائے گا۔ مثال کے طور پر عبداللہ لکھنے میں ''عبد عبد اللہ'' یعنی لفظ ''عبد'' دو بار لکھا جائے تو پہلے والے لفظ کو مٹایا جائے گا۔ ایسے ہی ''امرء ي فى امرء ي مؤمن'' [امری] دو بار لکھا گیا ہے تو پہلی بار والا مٹایا جائے گا۔

④ دو کلمات کے مابین دو سطروں میں ایسے فاصلہ نہ پیدا کرے کہ اس سے فاسد معنی کا وہم پیدا ہو۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((بشِّر قاتل ابن صفية (يعنى الزبير) بالنار .)) [1]

''صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی نوید سنا دو۔''

تو اسے ایسے دو سطروں میں نہ لکھے کہ ''بشِّر قاتل'' ایک سطر میں ہو اور ابن صفية بالنار۔'' دوسری سطر میں۔

⑤ رموز اختیار کرنے سے بچے' سوائے ان رموز کے جو محدثین کے ہاں مشہور ہیں' ان میں سے:

---

[1] التمهيد لابن عبد البر ١٨/ ٣١.

(ثنا)، (نا) اور (دثنا) یہ "حدثنا" سے رمز ہے' اسے "حدثنا" پڑھا جائے گا۔ ❶

اور "أخبرنا" سے (أنا)، (أرنا) یا (أبنا) رمز لیا جاتا ہے اسے: "اخبرنا" پڑھا جائے گا۔

(ح) "قال" سے رمز لیا جاتا ہے، اور اسے: "قال" پڑھا جائے گا۔ اکثر طور پر قال کو بغیر رمز کے حذف کیا جاتا ہے۔ مگر پڑھتے ہوئے اسے بولا جاتا ہے۔ اس کی مثال، بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے:

حدثنا أبو معمر حدثنا عبد الوارث قال يزيد: حدثني مطرف بن عبد الله، عن عمران قال: قلت: يا رسول الله! فيم يعمل العاملون؟۔ قال: ((اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ.)) ❷

"میں نے کہا: یارسول اللہ! عمل کرنے والے کس کے لیے عمل کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "عمل کرو؛ ہر انسان کے لیے وہ چیز آسان کردی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔"

یہاں پر راویوں کے درمیان "قال" حذف کیا گیا ہے' مگر پڑھتے ہوئے اسے بولا جاتا ہے۔ تو اسے اس طرح پڑھا جائے گا:

قال البخاری حدثنا أبو معمر قال حدثنا عبد الوارث قال: قال يزيد: حدثني مطرف بن ...... الخ

(ح) ایک سند سے دوسری سند میں تحویل کے لیے رمز لیا جاتا ہے۔ جب ایک حدیث

❶ بہت سے متاخرین اختصار کے لیے رمز استعمال کرتے ہیں' لیکن وہ اس بارے میں اپنی اصطلاح ذکر کرتے ہیں' اس وجہ سے محذور زائل ہوجاتا ہے۔

❷ رواه البخاري (٧٥٥١) كتاب التوحيد؛ ٥٤ ـ باب قول الله تعالى: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ﴾ ـ (القمر ١٧) ومسلم (٢٦٤٩) كتاب القدر' ١ ـ باب كيفية خلق آدم۔

کی کئی اسناد ہوں، خواہ یہ تبدیلی سند کے درمیان میں ہو یا آخر میں؛ اسے اس کی صورت میں بولا جائے گا، یعنی کہا جائے گا: "حاء ۔"

آخرِ سند میں تحویل ہونے کی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ کا قول:

حدثنا يعقوب بن ابراهيم قال : حدثنا ابن علية عن عبد العزيز بن صهيب عن أنس عن النبي ﷺ (ح) و حدثنا آدم قال حدثنا شعبة عن قتادة عن أنس قال :قال النبي ﷺ :

((لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين .)) ❶

"(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے)! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے ہاں اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر عزیز نہ ہو جاؤں ۔"

سند کے درمیان میں تحویل کی مثال: امام مسلم رحمہ اللہ کا قول:

حدثنا قتيبة بن سعيد قال : حدثنا ليث (ح) و حدثنا محمد بن رمح حدثنا الليث عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ أنه قال:

((ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔ فالأمير الذي على الناس راع ، فهو مسئول عن رعيته ، والرجل راع على أهل بيته وهو مسئول عنهم ، والمرأة راعية على بيت بعلها وولدها وهي مسئولة عنهم والعبد راع على مال سيده وهو

---

❶ بخاری (١٥٩) كتاب الإيمان ، ٨۔ باب حب الرسول ﷺ من الإيمان۔ مسلم (٤٤) كتاب الإيمان ' ١٤ ۔ باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل والولد و الناس أجمعين وإطلاق عدم الإيمان على من لم يحبه هذه المحبة .

مسئول عنه ألا فكلكم راع و مسئول عن رعيته .)) ❶

”تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ پس لوگوں کا واقعی امیر ایک حاکم ہے' اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا ۔ ہر آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے' اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا حاکم ہے' اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا ۔ آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہوگی۔“

تدوین حدیث:

حدیث نبی کریم ﷺ کے دور میں اور آپ کے بعد چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ایسے مدون نہیں تھی جیسے بعد میں ہوئی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”المدخل“ ❷ میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

”بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنن لکھنے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اسے لکھ لیا جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ماہ تک اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اس بات کا عزم ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا:” میں نے ارادہ کیا تھا کہ ”سنن“ لکھ دوں۔ پھر مجھے وہ لوگ یاد آئے جو تم

---

❶ رواه مسلم (١٨٢٩) كتاب الإمارة' ٥۔ باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية' والنهي عن إدخال المشقة عليهم ۔ وهو في البخاري (٢٥٥٤) كتاب العتق ، ١٧۔ باب كراهية التطاول على الرقيق۔

❷ رواه البيهقي في المدخل (٧٣١) ؛ وعبد الرزاق عن معمر في "جامعه (١١/ ٢٥٧' الملحق في آخر المصنف۔

سے پہلے تھے۔ انہوں نے کتابیں لکھیں اور پھر ان پر گر گئے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی کتاب اللہ کو کسی دوسری چیز سے نہیں ملاؤں گا۔''

جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خلافت کا دور آیا تو انہیں حدیث کے ضائع ہو جانے کا خوف محسوس ہوا، لہٰذا انہوں نے مدینہ میں اپنے قاضی ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ کو لکھا:

''دیکھو! جو نبی کریم ﷺ سے جو بھی حدیث ملے اسے لکھ لو۔ بیشک میں علم کے ختم ہونے اور علماء کے چلے جانے سے ڈرتا ہوں۔ اس میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ بھی قبول نہیں کرنا۔ نیز چاہیے کہ علم تلاش کرو اور اس وقت تک بیٹھو یہاں تک کہ جو نہیں جانتا وہ جان لے۔ بیشک علم اس وقت تک ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ ایک پوشیدہ شے بن جائے۔

پھر چاروں طرف اس طرح کے مراسلے لکھے۔ پھر محمد بن شہاب الزہری رحمہ اللہ کو حدیث مرتب کرنے کا حکم دیا۔

سب سے پہلے محمد بن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے حکم سے حدیث تصنیف کی۔ یہ پہلی صدی ہجری کے آخر کی بات ہے۔ پھر لوگ اس کی اتباع کرنے لگے اور حدیث لکھنے میں ان کے طریق کار مختلف ہونے لگے۔

تصنیفِ حدیث کے طریقے

حدیث کی تصنیف کے دو طریقے ہیں:

1: تصنیف اصل   2: تصنیف فروع

(1) تصنیف الأصول:

جس میں حدیث کو مصنف سے لے کر سند کے آخر تک منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی کئی طریقے ہیں' ان میں سے درج ذیل نمایاں ہیں:

1: **تصنیف اجزاء**...... اس طرح کہ علم کے ابواب میں سے ہر باب کے لیے ایک خاص اور مستقل جز تیار کیا جائے۔ چنانچہ نماز کے باب کے لیے ایک خاص جز ہو، زکوٰۃ کے باب کے لیے ایک خاص جز ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ امام زہری رحمہ اللہ اور ان کے معاصرین کا تھا۔

2: **تصنیف ابواب**...... اس طرح سے کہ ایک جز میں کئی ابواب جمع کر دے اور ان کی ترتیب ایسے رکھے جیسے فقہی ابواب کی ترتیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، امام مسلم اور اصحاب سنن رحمہم اللہ کا طریقہ ہے۔

3: **تصنیف مسند**...... اس طرح سے کہ ہر ایک صحابی کی احادیث علیحدہ جمع کی جائیں۔ سو مسند ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تمام وہ احادیث ذکر کی جائیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔ اور مسند عمر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام مرویات جمع کی جائیں، جیسے کہ "مسند احمد" میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا طریقہ ہے۔

(2) تصنیفِ فروع:

وہ تصنیفات ہیں جن میں ان کے مصنفین اصولیوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے ان کی احادیث بغیر اسناد کے ذکر کرتے ہیں۔ اس کے کئی طریقے ہیں' ان میں سے دو قابل ذکر ہیں:

1:...... ابوابی تصنیف: جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بلوغ المرام اور عبدالغنی المقدسی کی عمدۃ الأحکام۔

2:...... حروف پر مرتب تصنیف: جیسے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی ''الجامع الصغیر۔''

ان دو طریقوں کے علاوہ بھی بہت سے طریقے ہیں جنہیں محدثین اپنا مقصد حاصل ہونے کے قریب ترسمجھتے ہوئے اختیار کرتے ہیں۔

اُمہاتِ کتب

اس وصف کا اطلاق ان چھ کتب پر ہوتا ہے:

- : صحیح بخاری
- : صحیح مسلم
- : سنن نسائی
- : سنن ابی داوٗد
- : سنن ترمذی
- : سنن ابن ماجہ

: صحیح بخاری:

اس کے مؤلف نے اس کا نام "الجامع الصحیح" [1] رکھا تھا۔ اسے چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا گیا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کے جمع کرنے اور اس کی تہذیب و تنقیح اور صحت کی جانچ پڑتال میں بہت ہی مشقت اٹھائی۔ یہاں تک کہ آپ اس میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہ کرتے جب تک غسل کر کے دو رکعت نماز نہ پڑھ لیتے' پھر اس حدیث کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے۔

اس میں صرف ان احادیث کو ذکر کیا جو متصل سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوں اور اس کے راویوں میں "عدالت اور تام الضبط ہونے کی شروط متوفر ہوں۔ آپ نے اپنی اس تالیف کو سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ پھر اسے امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' علی المدینی رحمہم اللہ اور دوسرے مشائخ پر پیش کیا جنہوں نے اس کی صحت کی گواہی دی اور اسے بہت اچھا کہا۔

ہر زمانہ کے علمائے کرام رحمہم اللہ میں اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ

---

[1] اس کتاب کا پورا نام "الجامع المسند الصحیح المختصر من حدیث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وسننه و أیامه" ہے۔
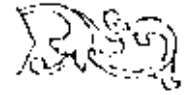
فرماتے ہیں:

" یہ اسلام کی کتابوں میں سب سے جلیل القدر اور کتاب اللہ کے بعد سب سے افضل کتاب ہے۔" اس میں متکرر احادیث کو ملا کر کل تعداد "7397" بنتی ہے۔ان میں سے (2602) احادیث مکرر ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ:

ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ آپ فارسی الاصل تھے۔

آپ ماہِ شوال سن 194 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ پیدائشی یتیم تھے، والدہ کی گود میں پرورش پائی۔ 210 ہجری میں حدیث کی طلب میں سفر شروع کیا، مختلف شہروں کا چکر لگاتے رہے۔ شام' مصر' جزیرہ' بصرہ' کوفہ اور بغداد گئے۔

آپ کا حافظہ بہت ہی قوی تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک بار کتاب میں دیکھتے تھے تو حفظ کر لیتے۔

آپ عالم زاہد' متقی اور پرہیز گار تھے۔ امراء اور سلاطین سے دور رہنے والے، بہادر اور سخی تھے۔ آپ کے زمانہ اور بعد کے علماء نے آپ کو بہت تعریف کی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"خراسان نے آپ جیسا کوئی آدمی پیدا ہی نہیں کیا۔"

ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" نیلے آسمان کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جاننے والا اور انہیں یاد کرنے والا محمد بن اسماعیل بخاری سے بڑھ کر کوئی نہیں۔"

آپ فقہ میں مجتہد تھے۔ آپ بہت ہی عجب باریک بینی سے احادیث سے استدلال کرتے تھے، جس پر آپ کی صحیح کے تراجم گواہ ہیں۔

آپ کا انتقال خراسان سے دو فرسخ کے فاصلہ پر "خرتنگ" نامی بستی میں، عید الفطر کی

رات سن 256 ہجری میں، تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

آپ نے اپنی تصنیفات میں بہت سا علم اپنے پیچھے چھوڑا۔

رحمه الله تعالیٰ وجزاه عن المسلمين خيراً۔

❁: صحیح مسلم:

یہ مشہور کتاب ہے جسے مسلم بن حجاج قشیری ؒ نے لکھا ہے۔ اس میں جو آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث تھیں، جمع کی ہیں۔

امام نووی ؒ فرماتے ہیں: ''اس کتاب کی تالیف میں آپ انتہائی احتیاط، تقویٰ، ورع اور معرفت کی اس راہ پر چلے ہیں جو بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔

آپ نے (موضوع کے لحاظ سے) مناسب احادیث کو ایک جگہ جمع کیں اور ابواب کے لحاظ سے مرتب حدیث کی سندیں اور ان کے الفاظ بیان کیے۔ لیکن آپ تراجم نہیں بیان کیے یا تو حجم کے بڑھ جانے کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے۔

اس کے تراجم بہت سارے شارحین نے لکھے ہیں، ان میں سب سے بہتر اور اچھے تراجم ''امام نووی ؒ'' کے ہیں۔ مکرر احادیث کو ملا کر احادیث کی تعداد 7275 ہے۔ مکرر حدیث کو چھوڑ کر باقی تعداد 4000 رہ جاتی ہے۔

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحت کے لحاظ سے یہ بخاری کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ بخاری اور مسلم کے درمیان تقابل پر یہ شعر کہا گیا ہے:

تشاجر القوم في البخاری ومسلم   لدی و قالوا: أی ذين تقدم

فقلت لقد فاق البخاری صحة   كما فاق في حسن الصناعة مسلم

❁: امام مسلم ؒ:

آپ کا پورا نام: ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری نیشاپوری ہے۔ آپ 204 ہجری میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ حدیث کی تلاش میں شہروں کا چکر لگایا، آپ حجاز، شام، عراق

اور مصر گئے۔ جب امام بخاری ﷫ نیشاپور تشریف لائے تو ان کی صحبت اختیار کی، ان کے علوم کا مطالعہ کیا اور ان کے ڈھنگ پر چلے۔

محدثین اور دوسرے علماء نے ان کی تعریف کی ہے۔

آپ کا انتقال 261 ہجری میں نیشاپور میں ہوا۔

آپ نے اپنی تصنیفات میں بہت سا علم اپنے پیچھے چھوڑا۔

رحمه الله تعالیٰ وجزاه عن المسلمين خيراً۔

دو فائدے:

پہلا فائدہ...... امام بخاری اور امام مسلم ﷮ نے اپنی صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے مروی تمام صحیح احادیث کو جمع نہیں کیا۔ بلکہ دوسری کتب احادیث میں ایسی صحیح روایات موجود ہیں' جو ان دونوں جلیل القدر اماموں نے روایت نہیں کیں۔ امام نووی ﷫ فرماتے ہیں: ''امام بخاری اور امام مسلم ﷮ کا قصد صحیح احادیث میں سے جملہ جمع کی جائیں۔ جیسا کہ مصنف فقہ میں کرتا ہے' اپنے مسائل میں سے جملہ کو جمع کرتے ہیں۔ ایسے نہیں کہ وہ تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہوں۔ لیکن جب حدیث کو یہ دونوں امام ترک کر دیں یا ان میں سے کوئی ایک ترک کر دے' اس کے باوجود کہ اس حدیث کی سند میں ظاہری طور پر صحت ہے اور باوجود کہ وہ حدیث اپنے باب میں اصل ہے۔ (اور ان دونوں نے اسے ترک کیا ہے) اس کی نظیر کسی اور حدیث کی بھی تخریج نہیں کی، اور نہ ہی اس کے قائم مقام کوئی حدیث لائے ہیں تو ان کے حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اگر اس حدیث کو روایت کیا ہے' تو اس میں کسی علت پر مطلع ہوئے ہوں اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انہوں نے بھول کر اسے ترک کر دیا ہو یا پھر طوالت سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا ہو یا ان کی رائے یہ ہو ان کی ذکر کردہ دوسری حدیث اس کی جگہ کافی ہے یا اس کے علاوہ کوئی سبب بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرا فائدہ...... علماء کرام ﷭ کا اتفاق ہے کہ ''صحیح بخاری اور مسلم'' حدیث میں لکھی

گئی سب سے صحیح ترین کتب ہیں اس لیے کہ انہوں نے متصل اسناد بیان کی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں امام صرف صحیح حدیث پر ہی اتفاق کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں: ''ان دونوں کے جمہور متون کے بارے میں محدثین قطعی علم رکھتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہی ہیں۔''

بعض حفاظ نے ''شیخین (یعنی امام بخاری اور مسلم) رحمہما اللہ پر ان احادیث کی وجہ سے تنقید کی ہے' جو اس درجہ سے کم ہیں جس کا انہوں نے التزام کیا ہے۔ان احادیث کی تعداد (210) دو سو دس ہے۔ان میں سے بتیس ان دونوں کے درمیان مشترک ہیں۔ اور اٹھتر (78) احادیث میں امام بخاری اور ایک سو احادیث میں امام مسلم رحمہما اللہ منفرد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ❶

''وہ جمہور احادیث جن کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ پر ان کو صحیح کہنے میں نکیر کی گئی ہے، ان میں امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہی اپنے مخالف پر راجح ہوگا۔ بخلاف امام مسلم رحمہ اللہ کے، بے شک آپ کی تخریج کردہ احادیث میں اختلاف کیا گیا ہے اور اس میں حق فریق مخالف کے ساتھ ہے اور اس کے لیے مثال اس حدیث سے دی ہے:

((خلق اللّٰه التربة يوم السبت .)) ❷

''اللہ تعالیٰ نے خاک کو ہفتہ کے دن پیدا کیا۔''

اور نماز کسوف والی حدیث:

((صلاة الكسوف بثلاث ركوعات و أربع .)) ❸

---

❶ مجموع الفتاوى (١/ ٢٥٦) و (١٧/ ٢٣٦) و (٨/ ٧٣).

❷ رواه مسلم (٢٧٨٩) كتاب صفة القيامة والجنة والنار؛ ١- باب ابتداء الخلق ؛ وخلق آدم عليه السلام؛ انظر تفسير ابن كثير رحمه الله -١/ ٦٩/ ٧٠.

❸ رواه مسلم (٩٠١)، ٦- كتاب الكسوف؛ ١- ١- باب صلاة الكسوف.

''نماز کسوف میں تین اور چار رکوع ہیں۔''

ان آئمہ پر تنقید کے دو جواب اور بھی دیے گئے ہیں۔ ایک مجمل ہے اور دوسرا مفصل۔

1: مجمل جواب: ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: [1]

''امام بخاری اور پھر مسلم رحمہما اللہ ان کے اہل زمانہ اور اس کے بعد کے اس فن صحیح اور معلل کی معرفت کے آئمہ پر مقدم کرنے میں کوئی شک نہیں ہے۔''

فرماتے ہیں: ''ان دونوں پر تنقید کرنے والے کے فہم کلام کے اعتبار سے اس کا قول ان کی تصحیح کے معارض ہوگا اور اس بارے میں ان دونوں اماموں کی دوسروں پر تقدیم میں کوئی شک نہیں ہے، لہٰذا اس طرح یہ اعتراض جملہ طور پر ختم ہو جاتا ہے۔''

2: مفصل جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کے مقدمہ میں صحیح بخاری کے حوالہ سے ہر ایک حدیث کا مفصل جواب دیا ہے جبکہ رشید عطار رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے، جس میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ پر تنقید کرنے والوں کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

علامہ عراقی رحمہ اللہ ''شرح الفیہ'' میں فرماتے ہیں:

''انہوں نے ایک منفرد کتاب ''صحیحین'' کی ان احادیث پر لکھی ہے، جنھیں ضعیف کہا گیا ہے اور ان کا جواب بھی دیا ہے۔ جو اس مسئلہ میں زیادہ علم حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ اس کتاب کو حاصل کرے، اس میں بہت سے فوائد اور اہم باتیں ہیں۔

❁: سنن نسائی:

امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "السنن الکبری" لکھی اور اس میں صحیح اور معلول روایات کو جمع کیا۔ پھر اسے "السنن الصغری" میں مختصر کیا۔ اور اس کا نام "المجتبی" رکھا۔ اس میں وہ احادیث جمع کیں جو ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ اس سے مقصود امام نسائی رحمہ اللہ کی روایاتِ احادیث ہیں۔ "مجتبی" میں ضعیف احادیث اور مجروح راوی بہت کم ہیں۔

[1] کلام ابن حجر رحمه الله في مقدمة فتح الباري؛ وهدي الساري الفصل الثامن۔

اس کا درجہ صحیحین کے بعد آتا ہے۔

راویوں کے اعتبار سے سنن نسائی، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی پر مقدم ہے، کیونکہ آپ اپنی اس تصنیف میں راویوں کے بارے میں بہت شدت سے کام لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کتنے ہی راوی ایسے ہیں جن سے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ نے روایت نقل کی ہے، لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے ان سے گریز کیا ہے۔ بلکہ صحیحین کی ایک جماعت سے بھی روایت کرنے سے گریز کیا ہے۔"

جملہ طور پر "مجتبیٰ" میں نسائی کی شروط صحیحین کے بعد قوی ترین شروط ہیں۔

❁: امام نسائی رحمہ اللہ:

آپ کا نام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی ہے، آپ کو خراسان کے مشہور شہر "نساء" کی نسبت سے "النَّسَوِي" بھی کہا جاتا ہے۔

آپ 215 ہجری میں نساء میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لیے سفر کیے۔ اہل حجاز، خراسان، شام، جزیرہ وغیرہ کے لوگوں سے حدیث سنی۔ طویل مدت تک مصر میں مقیم رہے۔ وہاں پر آپ کی تصانیف کو شہرت ملی، پھر دمشق کی طرف کوچ کیا۔ وہاں پر بڑی آزمائش کا شکار ہوئے۔

سن 303 ہجری میں 92 برس کی عمر میں، فلسطین کے شہر رملہ میں انتقال ہوا۔

آپ نے حدیث اور علل میں بہت سی تالیفات چھوڑی ہیں۔ رحمہ الله تعالیٰ وجزاہ عن المسلمین خیراً۔

❁: سنن ابی داؤد:

سنن ابوداؤد میں احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو تک پہنچتی ہے، جنہیں اس کے مؤلف نے پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے اور اس میں احکام کی احادیث پر ہی اقتصار کیا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

’’میں نے اس کتاب میں صحیح‘ اس کے مشابہ اور قریب تر احادیث کو ہی ذکر کیا ہے۔ جبکہ میری اس کتاب میں جو کوئی اگر شدید ’’وھن‘‘ ہو تو اسے میں نے بیان کر دیا ہے، لہٰذا اس میں کسی بھی متروک الحدیث سے کوئی بھی روایت نہیں ہے۔ نیز جس کے بارے میں میں کچھ نہ کہوں وہ صالح ہے۔ اس کتاب میں میں نے جو روایات جمع کی ہیں، ان میں بعض احادیث بعض سے زیادہ صحیح ہیں اور اکثر مشاہیر کی روایات ہیں۔‘‘

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’صالح‘‘ سے ان کی مراد یہ ہے کہ اعتبار کے قابل ہے حجت کے قابل نہیں۔ سو اس صورت میں یہ ضعیف کو بھی شامل ہے۔‘‘

لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’ان کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ’’جس حدیث پر میں خاموش رہوں‘ وہ حسن ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کہ صالح سے مراد ’’احتجاج‘‘ کے قابل ہونا ہے۔

ابن صلاح رحمہ اللہ کہتے ہیں:

’’اس بنا پر ہم جو اس کتاب میں مطلق طور پر مذکور پاتے ہیں‘ جو صحیحین میں سے کسی ایک میں نہیں ہے‘ اور نہ ہی کسی ایک نے اس صحیح ہونے کا کہا ہے‘ تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد کے نزدیک حسن ہے۔‘‘

ابن مندہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ابوداؤد جب باب میں کوئی اور حدیث نہ پاتے تو ضعیف حدیث کی بھی تخریج کرتے کیونکہ لوگوں کی رائے کی نسبت ضعیف حدیث ان کے ہاں زیادہ قوی ہے۔

’’سنن ابی داؤد‘‘ نے فقہاء میں شہرت پائی، اس لیے کہ اس میں احکام کی احادیث جمع ہیں۔

اس کے مؤلف کہتے ہیں: انہوں نے یہ کتاب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر پیش کی، انہوں نے اسے عمدہ کہا اور اس کی تعریف کی۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس کی ''تہذیب'' کے مقدمہ میں کافی تعریف کی ہے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ:

آپ کا نام: سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی سجستانی ہے۔

آپ بصرہ کے گاؤں ''سجستان'' میں سن 202 ہجری میں پیدا ہوئے۔ حدیث کی طلب میں سفر کیے اور اہل عراق' شام' مصر اور اہل خراسان سے حدیث لکھی۔ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے دوسرے کئی شیوخ سے حدیث روایت کی۔

علماء کرام نے آپ کی توصیف کی اور آپ کو تام الحفظ' پختہ فہم اور ورع سے موصوف کیا ہے۔ سن 285 ہجری میں بصرہ میں تراسی برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ نے اپنی تالیفات میں بہت سارا علم چھوڑا ہے۔

رحمه الله تعالیٰ وجزاه عن المسلمین خیراً۔

❁: سنن ترمذی:

یہ کتاب "جامع الترمذي" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فقہی ابواب پر تالیف کیا اور اس میں صحیح، حسن اور ضعیف احادیث کو جمع کیا ہے' اور ہر ایک کا درجہ اپنی جگہ پر بتا دیا۔ ضعف کی وجہ بھی بیان کر دی ہے اور یہ بتانے کا بھی اہتمام کیا کہ اہل علم صحابہ یا دوسرے لوگوں میں سے کس نے قبول کیا ہے۔ اس کے آخر میں علل پر ایک کتاب مرتب کی ہے' جس میں اہم فوائد کو بیان کر دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

''اس کتاب میں احادیث میں سے جو کچھ بھی ہے' اس پر عمل ہو رہا ہے' اور بعض علماء نے اسے قبول کیا ہے' سوائے دو حدیثوں کے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث:

((أن النبي ﷺ جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب و

العشاء من غير خوف ولا سفر .)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشاء کی نمازوں کو بغیر کسی خوف اور سفر کے جمع کیا۔''

اور دوسری حدیث:

((إذا شرب فاجلدوه ' فإن عاد في الرابعة فاقتلوه .)) ❷

''جب کوئی شراب پیے تو اسے کوڑے لگاؤ، اگر چوتھی بار پیے تو اسے قتل کر دو۔''

اس کتاب میں بہت سے ایسے فقہی اور حدیثی فوائد جمع ہوئے ہیں جو اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ جب مؤلف نے یہ کتاب علماء حجاز' عراق اور خراسان پر پیش کی تو انہوں نے اسے بہت مستحسن کہا۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جان لیجیے کہ ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں صحیح' حسن' اور غریب حدیث جمع کی

---

❶ رواه مسلم (٧٠٥) كتاب الصلاة؛ ٥۔ باب جواز الجمع بين الصلاة في السفر وانظر: البخاري (٥٤٣)۔كتاب مواقيت الصلاة' ١٢۔باب تأخير الظهر إلى العصر۔و رواه الترمذي (١٨٧) كتاب الصلاة ٢٤؛ باب ماجاء في الجمع بين الصلاتين في الحضر۔
میں کہتا ہوں: بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مقتضی کے مطابق لیا ہے اور ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کے مابین مریض کے لیے جمع کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ''آپ چاہتے تھے کہ آپ کی امت پر حرج نہ ہو۔'' پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب بھی امت کو جمع کے ترک کرنے میں حرج لاحق ہو رہا ہو تو اس وقت جمع بین الصلاتین جائز ہو جاتا ہے۔ جب کہ شراب نوش کو چوتھی بار پینے پر قتل کرنے والی حدیث کو بعض علماء نے قبول کیا ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں: مے نوش کو چوتھی بار ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔'' جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب اس کے قتل کی ضرورت محسوس ہو تو اسے قتل کیا جائے؛ مثلاً کہ ایسا کیے بغیر لوگ شراب پینے سے باز نہ آ رہے ہوں۔'' پس اس صورت میں ان احادیث پر ترک عمل کے کوئی اجماع باقی نہ رہا۔''

❷ رواه الترمذي (١٤٤٤) كتاب الحدود ١٥؛ باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه' من عاد في الرابعة فاقتلوه۔

ہیں اور جو غریب روایات آپ اس کتاب میں لائے ہیں ان میں سے بعض منکر ہیں خاص کر جو کتاب 'الفضائل' میں ہیں۔ لیکن غالب طور پر آپ اسے بیان کر دیتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے کسی متہم بالکذب' جس پر تہمت پر اتفاق ہو' منفرد اسناد سے روایت کی ہو۔ ہاں ایسا ضرور ہے کہ کبھی آپ بد حافظہ سے یا جس پر "وھن" غالب آ گیا ہو' سے روایت کرتے ہیں اور غالباً اس کو بیان بھی کر دیتے ہیں' اس پر خاموش نہیں رہتے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ:

آپ کا نام ابوعیسیٰ محمد بن عیسی بن سورۃ السلمی الترمذی رحمہ اللہ ہے۔ آپ مدینہ ترمذ (دریائے جیحون کے کنارے پر ایک شہر ہے) میں سن 209 ہجری میں پیدا ہوئے اور حدیث کی طلب میں شہروں کے چکر لگائے' اہل حجاز' عراق' اور خراسان سے حدیث کی سماعت کی۔

آپ کی امامت اور جلالت پر لوگوں کا اتفاق ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری رحمہ اللہ آپ پر اعتماد کرتے تھے اور آپ سے حدیث لیتے تھے۔ اس کے باوجود کہ امام بخاری رحمہ اللہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ترمذ میں ہی سن 279 ہجری میں ستر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے علل اور دوسرے موضوعات پر کئی فائدہ مند کتابیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور بہترین بدلہ دے۔

❁: سنن ابن ماجہ:

اس کے مؤلف رحمہ اللہ نے اسے ابواب کی صورت میں مرتب جمع کیا ہے' اس کی احادیث کی تعداد 4341 تک پہنچتی ہے۔ متاخرین کے ہاں مشہور یہ ہے کہ حدیث کی بنیادی چھ کتابوں میں اس کا چھٹا نمبر ہے، صرف یہی نہیں کہ اس کا رتبہ سنن سے کم ہے (یعنی سنن نسائی' ابوداؤد' اور ترمذی) یہاں تک کہا گیا ہے کہ جس حدیث میں ابن ماجہ منفرد ہوں' وہ غالب طور پر ضعیف ہوتی ہے سوائے ابن حجر رحمہ اللہ کے۔ وہ فرماتے ہیں: میرے مطالعۂ علم کے مطابق یہ معاملہ مطلقاً ایسے نہیں ہے۔ لیکن جملہ طور پر اس میں ضعیف احادیث موجود ہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں منکر احادیث ہیں اور کچھ موضوع بھی ہیں۔''
امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک آپ متہم بالکذب اور احادیث چور لوگوں سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ جبکہ بعض اوقات کوئی حدیث صرف آپ کی ہی روایت سے پہچانی جاتی ہے (باقی محدثین کے ہاں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا)۔''

آپ اکثر احادیث میں باقی اصحاب کتب ستہ کے ساتھ شریک ہیں۔ سب کے ساتھ یا بعض کے ساتھ۔ استاد محمد فؤاد عبدالباقی کی تحقیق کے مطابق 1339 احادیث کی روایت میں آپ منفرد ہیں۔

❁: ابن ماجہ رحمہ اللہ:

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ رحمہ اللہ (ساکن ھا کے ساتھ' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ۃ'' کے ساتھ ہے) الربعي مولاهم قزويني۔

آپ عراق کے علاقہ قزوین میں سن 209 ہجری میں پیدا ہوئے اور حدیث کی طلب میں رے' بصرہ' کوفہ، بغداد، شام' مصر اور حجاز کا سفر کیا اور وہاں کے بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا۔ سن 273 ہجری میں انتقال ہوا آپ کی کئی ایک فائدہ مند تصنیفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور مسلمانوں کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ دے۔

❁: مسند امام احمد رحمہ اللہ:

محدثین نے صحیحین اور سنن کے بعد تیسرا درجہ مسانید کو دیا ہے۔ مسانید میں بہت بڑے قدر اور نفع والی کتاب ''مسند أحمد بن حنبل'' ہے۔ قدیم اور جدید ہر دور کے علماء نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ سنن کی کتابوں میں سب سے جامع اور بڑا ذخیرہ ہے' جس کی ہر مسلمان کو اپنے دین اور دنیا کے امور میں ضرورت ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسانید میں سے کوئی بھی کتاب مسند احمد کے برابر نہیں ہوسکتی، کثرت احادیث میں اور نہ ہی حسن سیاق میں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے صاحبزادے کا بیان ہے:

"میرے والد نے مجھے' ابو صالح اور عبداللہ کو اکٹھا کیا اور ہمیں یہ مسند پڑھ کر سنائی۔ ہمارے علاوہ کسی اور نے نہیں سنا۔ اور کہا:" میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ احادیث کے ذخیرہ میں سے جمع کیا ہے۔ جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو جائے تو چاہیے کہ وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں' اگر اس میں پالیں تو بہتر' اگر اس میں وہ حدیث موجود نہ ہو تو وہ حجت نہیں ہو سکتی۔"

لیکن امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان کا یہ قول غالب طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے پاس ان سے قوی اسناد والی احادیث صحیحین، سنن اور اجزاء میں ایسی ہیں جو مسند میں نہیں ہیں۔"

اس مسند میں ان کے بیٹے عبداللہ رحمہ اللہ نے کچھ احادیث زیادہ کی ہیں جو اصل مسند میں ان کے والد کی روایت سے نہیں ہیں۔ انہیں زوائد عبداللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ابو بکر القطیعي نے بھی کچھ احادیث زیادہ کی ہیں جو عبداللہ اور ان کے والد کی احادیث کے علاوہ ہیں۔ مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی احادیث کی تعداد چالیس ہزار ہے، ان میں سے مکرر کو حذف کرنے کے بعد تیس ہزار روایات باقی رہتی ہیں۔

مسند احمد کے بارے میں علماء کرام کی رائے:

مسند احمد کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

1: اس میں جتنی بھی احادیث ہیں' سب صحیح ہیں۔

2: اس میں صحیح' ضعیف' اور موضوع احادیث بھی ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ان میں سے انتیس احادیث کو موضوع کہا ہے۔ جب کہ ابن عراقی نے ان کے علاوہ نو احادیث کو مزید موضوعات میں شمار کیا ہے اور انہیں ایک کتابچہ (جزء) میں جمع کر دیا ہے۔

3: اس میں صحیح اور ایسی ضعیف احادیث ہیں جو حسن کے قریب درجہ کی ہیں۔ البتہ کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ یہ قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ذہبی، ابن حجر، اور

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مسند میں امام احمد رحمہ اللہ کی شرائط' سنن میں ابو داؤد رحمہ اللہ کی شرائط سے زیادہ قوی ہیں۔ ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ایسے لوگوں سے روایت کی ہے' جن سے روایت کرنے میں مسند میں اعراض کیا گیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے یہ شرط لگائی ہے ان کے نزدیک جو لوگ جھوٹ میں معروف ہوں' ان سے روایت نہ کی جائے۔ اگرچہ اس میں کچھ ضعیف روایات تھیں' پھر ان کے بیٹے عبداللہ اور ابو بکر قطیعی نے جو زائد احادیث درج کیں' ان میں کافی احادیث موضوع بھی ہیں۔ تو جس آدمی کو حقیقت حال کا علم نہیں ہے وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ مسند احمد کی روایات میں سے ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کی بنا پر ان تینوں آراء میں جمع ممکن ہے۔ سو جس نے کہا: اس میں صحیح اور ضعیف ہیں' یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ جو بھی احادیث اس میں ہیں وہ حجت ہیں۔ کیونکہ ضعیف جب حسن لغیرہ کے مرتبہ کو پالے تو وہ حجت ہو جاتی ہے۔ جس نے یہ کہا کہ اس میں موضوع احادیث بھی ہیں۔ تو اسے عبداللہ اور ابو بکر قطیعی کی زیادات پر محمول کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے' جس کا نام رکھا ہے: "القول المسدد فی الذب عن المسند" اس میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن پر امام عراقی رحمہ اللہ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے اور اس میں ابن جوزی رحمہ اللہ کی "الذیل الممہد" میں ذکر کردہ چودہ احادیث کے علاوہ پندرہ حدیثوں کا اضافہ کیا ہے۔

علماء نے مسند پر تصنیف کا بہت کام کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے اس کا اختصار کیا ہے' بعض نے شرح اور بعض نے تفسیر کی ہے جبکہ بعض نے اسے ترتیب دی ہے۔ ان میں سب سے بہترین کام "الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی" ہے۔ جسے امام عبد الرحمٰن البناء المعروف ساعاتی نے مرتب کیا ہے۔ انہوں نے اس کی سات اقسام بنائی ہیں:

(1)..... پہلی قسم توحید اور اصول دین میں ہے' اس کے آخر میں قیامت اور احوال آخرت کا بیان ہے۔ اس کے ابواب کی بہت اچھی ترتیب دی ہے اور اس پر ایک شرح لکھ کر

اسے پورا کیا ہے' اور اس شرح کا نام رکھا ہے: "بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني۔" یہ نام اپنے مسمی کے مطابق ہے۔ فقہی اور حدیثی ہر دو لحاظ سے بہت ہی مفید ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی بغدادی رحمہ اللہ ہیں۔

سن 164 ہجری میں "مرو" میں پیدا ہوئے۔ پھر آپ کو بغداد لایا گیا' ابھی آپ شیر خوار تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور حدیث کی طلب میں آفاق میں شہر شہر چکر لگایا۔ حجاز' شام' عراق' اور یمن میں اپنے زمانہ کے مشائخ سے احادیث سنیں اور سنت اور فقہ کا بہت بڑا اہتمام کیا۔ حتی کہ محدثین رحمہم اللہ نے آپ کو اپنا امام اور فقیہ شمار کیا ہے۔ آپ کے زمانہ اور بعد کے علماء نے آپ کی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں عراق سے نکلا اور میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم' زاہد' متقی اور افضل نہیں دیکھا۔

اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "احمد بن حنبل رحمہ اللہ' زمین میں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں۔

ابن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ارتداد کے دنوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اس دین کی مدد کی اور آزمائش وفتنہ کے دنوں میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ذریعہ سے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فقہ' حدیث' اخلاص' ورع میں امامت احمد بن حنبل پر ختم ہوتی ہے۔ نیز اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ثقہ' امام اور حجت ہیں۔"

سن 241 ہجری میں بغداد میں (77) برس کی عمر میں وفات پائی۔

آپ نے اپنے پیچھے بہت سارا علم اور ایک پختہ منہج چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ دے۔

عالم اور متعلّم کے آداب

علم کا فائدہ اور ثمرہ یہ ہے کہ جو علم حاصل ہوا ہے' اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جو انسان اپنے علم پر عمل نہ کرے تو یہ علم اس پر وبال اور قیامت والے دن اس کے خلاف حجت ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((والقرآن حجة لك أو عليك.)) [1]

''اور قرآن یا تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔''

عالم اور متعلّم میں سے ہر ایک کے لیے آداب ہیں۔ جن کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض آداب ان دونوں کے درمیان مشترک ہیں جبکہ بعض ہر ایک قسم کے لیے خاص ہیں۔

مشترک آداب:

1:...... اخلاص نیت: ان میں مشترک ادب یہ ہے کہ عالم اور متعلّم دونوں کی نیت اللہ تعالیٰ کی قربت کا حصول، اس کی شریعت کی حفاظت، لوگوں میں اس کی نشر واشاعت اور ان سے اور امت سے جہالت کا خاتمہ ہو۔ جس نے علم شرعی کے حصول سے دنیا کے کچھ مقاصد حاصل کرنے کی نیت کی' اس نے اپنے آپ کو بہت بڑی سزا کے لیے پیش کیا۔

حدیث نبوی میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من تعلم علماً مما يبتغى به وجه الله تعالىٰ' لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضاً من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم

[1] رواه مسلم (۲۲۳) كتاب الطهارة' ۱۔ باب الوضوء.

القيامة .)) ❶

"جس نے (وہ) علم سیکھا، جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کی جاتی ہے، اس علم کو نہیں سیکھتا سوائے اس کے کہ وہ دنیا کے مقاصد حاصل کرے، وہ روزِ قیامت جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من طلب العلم ليجاري به العلماء ، أو ليماري به السفهاء ، أو يصرف به وجوه الناس إليه ، أدخله الله النار .)) ❷

"جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء سے مناظرے کرے، احمق (سادہ لوح) کو دھوکہ دے، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں داخل کریں گے۔"

❷:......علم کے مطابق عمل......: جس نے علم کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے وہ علم بھی عطا فرمائیں گے جو اس نے ابھی تک نہیں سیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۝﴾ (محمد: ١٧)

"اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ ہدایت مزید بخشی اور انہیں ان کی پرہیزگاری عنایت کی۔"

---

❶ رواه أبو داؤد (٣٦٦٤) كتاب العلم، ١٢- باب في طلب العلم لغير الله تعالىٰ- وابن ماجة (٢٥٢) المقدمة، ٢٣:- باب الانتفاع بالعلم والعمل به- وأحمد (٣٣٨ح ٨٤٣٨)- وصححه ابن حبان (١/ ٢٧٩/ ٧٨) -وقال العقيلي في الضعفاء (٣/ ٤٦٦): الرواية في هذا الباب لينة- ورجح أبو زرعة في "العلل" (٢/ ٤٣٨) وقفه-

❷ رواه الترمذي (٢٦٥٤) كتاب العلم؛ ٦- باب ما جاء فيمن يطلب الدنيا بعلمهن؛ وقال: غريب- وابن ماجة؛ (٢٦٠ و ٢٥٩) المقدمة؛ ٢٣-باب الانتفاع بالعلم والعمل به- وحسنه الألباني في مجموع طرقه .

اور جس نے علم کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا' قریب ہے کہ اس کا یہ علم بھی اللہ تعالیٰ اس سے چھین لیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ ﴾ (المائدہ: 13)

''تو اُن کے عہد توڑنے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے۔''

3:...... اچھے اخلاق اپنانا: وقار، کم سخنی' نرمی' شائستہ گفتگو' لوگوں کے ساتھ بھلائی، تکلیف پر صبر اور ان کے علاوہ وہ اخلاق جن پر شرعاً یا عرفِ سلیم میں تعریف کی جاتی ہو۔

4:...... بد خلقی سے گریز: جھوٹ' گالم گلوچ، تکلیف دینا، تند خوئی، بول چال اور ہیئت میں مذموم حقارت اور ان کے علاوہ دیگر وہ اخلاق جنہیں شرعاً یا عرفاً برا سمجھا جاتا ہو، ان سے اجتناب کرے۔

خاص معلم کے آداب

1: نشر علم کا شوق: ہر قسم کے وسیلہ سے علم پھیلانے کی کوشش کرے اور جو اس سے علم کی بات طلب کرے' اسے خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے بتائے اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس علم کی نعمت اور نور پر رشک کرے۔ اور ایسی کھیپ تیار کرے جو اس سے علم کو وراثت میں حاصل کریں۔ اسے چاہیے کہ علم چھپانے سے ہر طرح سے ڈرتا رہے۔ خصوصاً اس حال میں کہ لوگوں کو اس علم کے بیان کی ضرورت ہو' یا کوئی رہنمائی حاصل کرنے والا اس سے پوچھے تو اسے وہ دینی اور علمی بات بتانا ایک ذمہ داری بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من سئل عن علم علمه' ثم كتمه' ألجم يوم القيامة بلجام

من نار .)) ❶

”جس انسان سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہو' پھر اس نے وہ بات چھپائی تو اسے قیامت والے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔“

② شاگردوں کی تکالیف پر صبر: ان کے برے معاملات' بدسلوکی اور دیگر تکلیف وہ باتوں پر صبر تاکہ وہ اللہ کے ہاں صابرین کا اجر وثواب پا سکے۔ انہیں (یعنی شاگردوں کو) بھی دعوت واصلاح کے ساتھ صبر اور لوگوں کی تکالیف برداشت کرنے کا عادی بنائے اور انہیں حکمت کے ساتھ اس طرح ان کی غلطی پر تنبیہ کرے تاکہ اس کی ہیبت ان کے دلوں سے ختم نہ ہو اور ان کو تعلیم دینے میں اس کی محنت ضائع نہ ہو۔

③ طلبہ کے لیے نمونہ: استاد اپنے طلبہ کے سامنے دین اور اخلاق کیساتھ اپنی شان کے مطابق ایک مثالی شخص بن کر رہے، کیونکہ معلم شاگردوں کے لیے ایک بڑی اہم مثالی شخصیت ہوتا ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں معلم کے دین اور اخلاق کا عکس ہوتا ہے۔

④ سہل طریقہ تدریس: استاد کو چاہیے کہ شاگردوں تک علم پہنچانے کے لیے آسان اور مختصر طریقہ اختیار کرے۔ اور جس چیز اس میں رکاوٹ بن رہی ہو' اس سے بچ کر رہے۔ بس عبارت کے بیان اور دلیل کے واضح ہونے کا اہتمام کرے اور شاگردوں کے دلوں میں محبت کے بیج بوئے تاکہ وہ ان کی قیادت کر سکے اور وہ اس کے کلام کو سمجھ سکیں اور اس کی رہنمائی کو قبول کر سکیں۔

متعلّم کے خاص آداب

① علم کے حصول میں محنت: بیشک علم جسمانی راحت کیساتھ حاصل نہیں ہوتا، اس لیے چاہیے کہ ہر اس راہ پر چلا جائے جس سے علم تک پہنچنا ممکن ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

❶ رواه أبو داؤد (٣٦٥٨) كتاب العلم' باب كراهية منع العلم. وابن ماجة (٢٦١) المقدمة '٢٤: باب من سئل عن علم فكتمه. والترمذي (٢٦٤٩) كتاب العلم' 3 باب ماجاء في كتمان العلم وأحمد (٢/ ٢٦٣/ ٧٥٦١). وقال ابن كثير في "التفسير" (١/ ٢٠١) ورد من طرائق يشد بعضها بعضاً.

((من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله له طريقاً إلى الجنة .)) ❶

''جو کسی ایسے راستے پر چلا جس میں وہ علم تلاش کررہا تھا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردیتے ہیں۔''

❷: اہم سے اہم تر سے شروع کرنا، جس کی دنیا اور دین کے امور میں ضرورت ہو: بیشک یہی حکمت ہے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾﴾ (البقرہ: ٢٦٩)

''وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بیشک اُس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔''

❸: طلب علم میں تواضع: اس طرح سے کہ کسی بھی شخص سے فائدہ کی بات حاصل کرنے میں تکبر نہ کرے۔ بیشک علم کے لیے تواضع اختیار کرنے میں ہی رفعت اور بلندی ہے۔ کتنے ہی لوگ ہونگے جو جملہ طور پر تو آپ سے علم میں کم ہوں گے، لیکن ان کے پاس کسی مسئلہ میں علم کی کوئی ایسی بات ہوگی جو آپ کے پاس نہیں ہوگی۔

❹: معلم کا احترام وتوقیر: طالب علم کو چاہیے کہ استاد کے شایان شان اس کی عزت واحترام کرے۔ بیشک ناصح معلم کی منزلت باپ کی سی ہوتی ہے جو نفس اور دل کو علم اور ایمان کی غذا دیتا ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ طالب علم استاد کی شان کے مطابق بغیر کسی مبالغہ' غلو اور تقصیر کے اس کی توقیر واحترام کرے اور استاد سے ایسا سوال پوچھے جس سے رہنمائی ملتی ہو۔ ایسا سوال نہ کرے جو سرکش اور چیلنج کرنے والے کی طرح ہو۔ استاد کی طرف اگر جفا اور سختی پائے تو اس پر صبر کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ بسا اوقات استاد بیرونی

❶ مسلم (٢٦٩٩) كتاب الذكر والدعاء ١١۔ باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر۔

اسباب سے متاثر ہونے کی وجہ سے ایسے کر رہا ہو اور اس حالت میں وہ شاگرد سے کوئی ایسی بات برداشت نہ کرے جو عام سکون اور راحت کی حالت برداشت کرتا ہے۔

5 مذاکرہ اور ضبط: طالب علم اس بات کی حرص کرے کہ وہ جو علم سیکھ رہا ہے' اس کا مذاکرہ کرے اس علم کو ضبط کرے اور جو کچھ سیکھا ہے' اسے محفوظ کرے۔ خواہ اسے اپنے سینے میں حفظ کر کے محفوظ کرے یا اسے لکھ کر محفوظ کرے۔ اس لیے کہ انسان نسیان کا پتلا ہے۔ اگر وہ اس بات کی حرص نہیں کرے گا تو جو علم حاصل کیا ہے' اسے بھلا کر ضائع کر دے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

''علم شکار ہے اور کتابت اس کے لیے قید ہے اپنے شکار کو مضبوط رسیوں سے باندھ لو۔ یہ حماقت ہے کہ تم ہرن کو شکار کرو اور پھر اسے خلائق میں آزاد گھومتی چھوڑ دو۔''

نیز چاہیے کہ اپنی کتابوں کو ضائع ہونے سے بچانے کا اہتمام کرے اور انہیں مختلف قسم کی آفات سے بچا کر رکھے۔ کیونکہ یہ اس کی زندگی کا ذخیرہ اور ضرورت کے وقت اس کا مرجع ہیں۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات ' وصلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه والتابعين والتابعات لهم بإحسان مدى الأوقات آمين -
وانتهيت من ترجمة وتخريج أحاديث الكتاب " مصطلح الحديث" للشيخ العلامة محمد بن صالح العثيمين رحمه الله تعالىٰ خلال تسعة أيام، قبل الوقت القياسى للترجمة بأربعة أيام-22 يناير 2009م
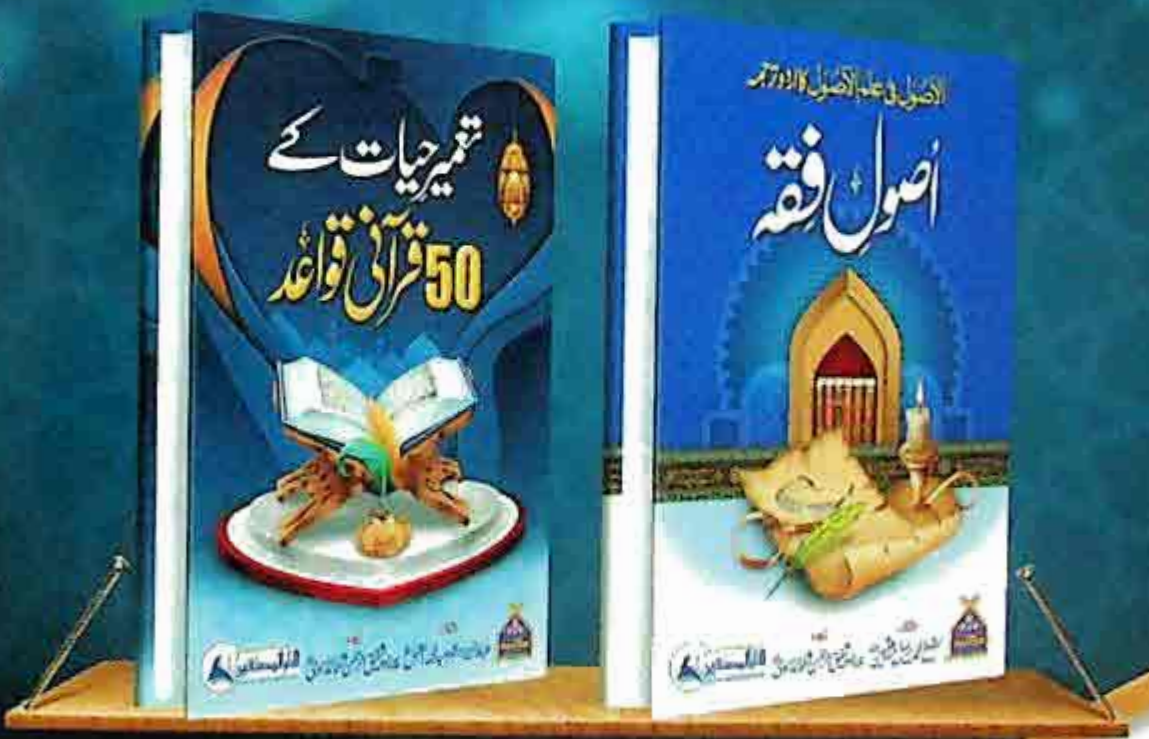
دار المصنفین

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

G/F-6 بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0308-6222418 0300-4262092

Facebook/Dar-ul-Musannifeen

darulmusannifeen@gmail.com